دو بھائی بداؤں میں تھے۔ ایک شاہی موئے تاب، دوسرے شیخ ابوبکر موئے تاب
شیخ ابوبکر کو میں نے دیکھا ہے لیکن شیخ شاہی کو میں نے نہیں دیکھا ہے

''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء''

دو سرکاریں

حصہ اوّل

بڑے سرکار حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین سلطانجی صاحب

حصہ دوم

چھوٹے سرکار حضرت خواجہ سید بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب

کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی

دو بھائی بداؤں میں تھے۔ ایک شاہی موئے تاب، دوسرے شیخ ابوبکر موئے تاب
شیخ ابوبکر کو میں نے دیکھا ہے لیکن شیخ شاہی کو میں نے نہیں دیکھا ہے

''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء''

دو سرکاریں

حصہ اوّل

بڑے سرکار حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین سلطانجی صاحب

کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی

۳۹۲،۴۹۲
ح ۱۱۵ و

۴۵۲۲۰

۱۔ حسن شیخ ساہی، سوانح حیات، خواجہ سعید
۲۔ بدر الدین ابوبکر، سوانح حیات، خواجہ سعید
۳۔ اولیاء۔ سوانح

فہرست مضامین

نمبر شمار		صفحۂ آغاز
۱۔ حرف تکمیل		۷
۲۔ تواریخ طبع		۹
۳۔ حرفِ ترتیب		۱۲
۴۔ تمہید		۱۳
۵۔ نام۔لقب۔خاندان۔ ورود ہند۔قیام ملتان		۲۰
۶۔ تحقیق تاریخ ولادت ووفات		۲۱
۷۔ تحقیق شجرۂ نسب		۲۵
۸۔ سوانح حیات	ابتدائیہ	۳۷
	اقتباسات فوائد الفواد	
	اقتباسات خطوط شمس المعارف	
	اقتباس تنبیہ المخلوق	
	اقتباس ملفوظات طیّبات	
	اقتباسات تذکرۃ الواصلین	
	اقتباس بحوالہ مظہر الاسلام	

نقل خط محمد اسمٰعیل فنا بدایونی
ایک عجیب وغریب کرامت
ایک معجزانہ واقعہ
تصرّف کا ایک خاص واقعہ
اقتباس کشف الغطاء
حلیہ مبارک۔ شجرۂ بیعت وطریقت
مراسم عرس۔ اقوال

۹۔ تعمیر زیارت ودیگر متعلقہ تعمیرات ۸۴

۱۰۔ قدیم حجرۂ اقامت ۹۴

۱۱۔ جائداد موقوفہ ودیگر امور متعلقہ زیارت، تفصیل آمدنی ومصارف وغیرہ ۹۷

۱۲۔ مناقب مصنّفہ مذاقؔ میاں صاحبؒ ۱۰۴

۱۳۔ مختصر حال ان بزرگوں کا جن کا نام یا ذکر حضرت سلطان العارفین صاحب ۱۳۳
۱۔ حاجی جمال ملتاں صاحبؒ
۲۔ قاضی حمید الدینؒ ناگوری
۳۔ خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی
۴۔ بابا فرید الدّینؒ شکر گنج

کے حالات میں شامل ہے

۵۔ شیخ احمد نہروالؒ
۶۔ شیخ محمود موئینہ دوزؒ
۷۔ شیخ نظام الدینؒ ابوالمؤید
۸۔ شیخ جلال الدّینؒ تبریزی
۹۔ شیخ سعد الدّینؒ تنبولی
۱۰۔ شیخ علی مُولیٰ بزرگؒ
۱۱۔ شیخ احمد خیاطؒ
۱۲۔ شیخ شرف الدّینؒ خیاط
۱۳۔ شیخ بہاؤالدینؒ زکریا ملتانی
۱۴۔ مولانا سیّد علاؤالدینؒ اصولی

۱۴۔ آغاز حصہ دوم سوانح حیات چھوٹے سرکار شاہ ولایت صاحب ۔۔۔ ۱۹۷

۱۵۔ کتابیں جن سے استفادہ کیا ۔۔۔ ۲۷۱

ملنے کا پتہ :-
محمد حُریز
شاپ نمبر 1 حکیم سینٹر
عبداللہ ہارون روڈ۔ صدر۔ کراچی

کمپوزنگ۔ نیازی گرافکس
مدنی مسجد نیازی کالونی
دھوبی گھاٹ۔ کراچی
0300 - 2172836

حرفِ تکمیل

''دوسرکاریں'' جس کے حصّہ اوّل میں بڑے سرکار حضرت سلطان العارفین صاحب کے سوانح حیات ہیں اور حصّہ دوم میں چھوٹے سرکار حضرت شاہ ولایت صاحب کے حالاتِ زندگی ہیں اب طباعت کے مرحلے میں ہے۔

دورانِ تصنیف خاص طور سے یہ لحاظ رکھا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی پیدائش ووفات کے سِنین اور زمانے کے تعیّن اور حسب نسب کے بارے میں بلاتحقیق روایتی بیانات پر انحصار نہ کیا جائے۔ قارئین کو کتاب کے مطالعہ سے متن کی اس اصولی نوعیّت کا بخوبی اندازہ ہوگا۔ کتاب کے آخری حصّے میں ان بزرگوں کا بھی مختصر حال ہے جن کا تذکرہ یا نام دونوں سرکاروں کے حالات کے سلسلے میں آتا ہے۔

میری دعا ہے کہ عزیزی خالد ظفر، اس کی اہلیہ نگار سلطانہ، اس کی بیٹی فاطمہ ثنا سلّمہا اور میرے احباب و اقارب حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کی روحانی توجّہات سے ہمیشہ خاص طور سے مستفیض ہوں۔ آمین۔

یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ میرے شفیق بزرگ مرحومین نانا میاں قاضی محمد معین الاسلام عباسی، نانی محمدی بیگم ناز فاطمہ، بڑی نانی احمدی بیگم نیاز فاطمہ،

بڑے بھائی محمد احرار علی صدیقی عرف محمد میاں اور والدہ صاحبہ ذکیہ سلطانہ کو حضرت سلطانجی صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کی دعاؤں سے تا قیامت عقبیٰ کی راحتیں حاصل رہیں۔ آمین

مرقومہ جمادی الاوّل ۱۴۲۶ھ
المطابق جون ۲۰۰۵ء

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی
۳۷۔ایف تین ہٹی۔کراچی

تواریخ طبع

''دوسرکاریں'' حصہ اوّل۔حالات بڑے سرکار سلطان العارفین صاحب

قطعہ

سلطان عارفیں ہیں ولیوں کے پیشوا ہیں
ہم کیا بتائیں وہ کیا اے فاطمہ ثنا ہیں
مُوتاب شیخ شاہی وہ بندۂ خدا ہیں
عظمت کے جن کی چرچے عالم میں جابجا ہیں
حال ان کا چھپ رہا ہے جو پیکرِ صفا ہیں
لطف و کرم کا محور دریا فیوض کا ہیں
دومصرعے ایک مظہر انجامِ فکر کا ہیں
تاریخِ طبع کا جو شفّاف آئنہ ہیں
''جب آگیا لبوں پہ محبوب کبریا ہیں =۴۸۸
سلطانجی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں'' =۹۳۸

۱۴۲۶ھ

فاطمہ ثنا دختر خالد ظفر برادر خورد مؤلف
ازشکاگو ۔ امریکا

قطعہ

ہوئے جمع حالات سلطانجی کے
نگاؔر اس کی تاریخ لکھنا جو چاہی
ندا آئی از غیب ، سال اشاعت
ہے ''احوالِ خواجہ حسن شیخ شاہی''
۲۰۰۵ء

قطعہ

شُد مرتّب نسخۂ حالات سلطان عارفین
شاہکارِ دل پسند و لاجواب و بے نظیر
خواستم تاریخِ طبعش را نویسم اے نگاؔر
شد خیال من نہ از فکر سخن منّت پذیر
یک بیک دیدم کہ از بہر سِن شمسی نمود
''جلوۂ سیّد حسن سلطانجی روشن ضمیر''
۲۰۰۵ء

قطعہ

اب بڑے سرکار کے حالات میں
چھپنے والی ہے جو اک تازہ کتاب
اس کا سالِ طبع لکھوں اے نگآر
"قربِ دید شیخ شاہی موئے تاب"
۲۰۰۵ء

نگآر سلطانہ
اہلیہ خالد ظفر برادر خورد مؤلف
از شکاگو۔ امریکا

حرفِ ترتیب

''دوسرکارین'' اُن دو عظیم صاحبِ تصرّف بزرگوں کے حالات زندگی پر مشتمل تالیف ہے جو آپس میں سگے بھائی ہیں ۔ بڑے بھائی حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین سلطانجی صاحب ہیں اور چھوٹے بھائی خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب ہیں جنہیں شہرت عام کی زبان نے چھوٹے بڑے سرکار کہہ کر پکارا۔ اب سے تقریباً آٹھ سو سال قبل سلطان شمس الدین التمش کے عہد نظامت میں یہ دونوں بزرگ اپنے والدین کے ہمراہ بدایوں میں رونق افروز ہوئے اور وہیں پر بودوباش اختیار فرمائی اور ان کی ابدی خوابگاہیں بھی اسی شہر میں ہیں۔

برسوں سے میری یہ آرزو تھی کہ ان دونوں بزرگوں کے حالات زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کر کے احتیاط کے ساتھ مرتّب کروں مگر تکمیل مقصد میں بہت وقت گزر گیا۔ اب امید بندھی ہے کہ کتاب موسوم بہ ''دوسرکارین'' جس کا حصہ اوّل بڑے سرکار اور حصّہ دوم چھوٹے سرکار کے حالات پر مشتمل ہے جلد اشاعت پذیر ہوجائے گی۔

احقر

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی

۳۷۔ ایف تین ہٹی۔ کراچی

کراچی ۔ ۱۴۲۵ھ

المطابق اکتوبر ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

انسانی معاشرہ کی اوّلین ضرورت خوشگوار ماحول ہے اور ماحول کا خوشگوار ہونا اخلاقی اقدار کی پاسداری اور حفاظت کا تقاضا کرتا ہے۔ اخلاق کیا ہے؟ اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق وفرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لئے مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اسی تعلق کے فرض کو بحسن وخوبی انجام دینا اخلاق ہے۔

دنیا میں امن وامان کے قیام اور فتنہ وفساد اور برائیوں کے انسداد کے لئے دو چیزیں ہیں۔ قانون اور اخلاق۔ گو دونوں کا منشاء ایک ہی ہے مگر ان کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں۔ قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے مگر دل میں اس برائی کی طرف سے کراہت کا کوئی روحانی کیف پیدا نہیں کرتا اور اخلاق علامتی وعملی مظہر ہوتا ہے اس احساس کا جو دل کی شفّاف گہرائیوں سے اُبھر کر برائی کی طرف سے کراہت کا ایک روحانی کیف بخشتا ہے اور ازخود تہذیب فکر وعمل پر مائل اور آمادہ کر دیتا ہے۔

Man is a social animal یعنی آدمی ایک معاشرتی جانور ہے، حیوانِ ناطق۔ سب جانتے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں ایک انسان کا دوسرے

انسان کے ساتھ واسطہ اور رابطہ لازمۂ فطرت اور ناگزیر ہے لیکن باہم تعلقات کا خوشگوار تسلسل اخلاقی اقدار کے صحیح شعور کا رہین منّت ہوتا ہے اور اخلاقی شعور کے سوتے محسوسات میں اس رجحان سے پھوٹتے ہیں جو پیچ در پیچ بحثوں اور مادّی دلچسپیوں میں الجھے بغیر از خود دل میں توازنِ عمل اور تہذیب تعلقات کا ذوق پیدا کردے۔ یہیں سے نفوذِ اخلاق کی راہ ہموار ہوتی ہے۔اس تناظر میں یہ ادراک مُبہم نہیں رہتا کہ محاسنِ اخلاق اور تہذیبِ افکار کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

انسان کے افکار کا اس کے مادّی ماحول سے متعلق ہونا لازمی چیز ہے۔ افسوس یہ ہے کہ سائنس کے بے پناہ اور حیرت انگیز پھیلاؤ نے مخلوق کے ذہن کو کچھ اس طرح دبوچ لیا ہے کہ لوگوں نے اخلاقی مسائل کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سائنس معاشرے کی اخلاقی نشو ونما سے بے تعلق ہے۔ معروف سائنسدان پروفیسر عبدالسّلام کا کہنا ہے کہ "سائنس آپ کے سماجی تعلقات کے بارے میں چُپ ہے"۔ (ماخذ مکتوب چین مطبوعہ جمعہ ایڈیشن روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ نومبر ۱۹۸۷ء)۔ بین الاقوامی تعلقات اور فلسفۂ تاریخ کے ممتاز صاحبِ تصنیف آرنلڈ ٹائن بی نے لکھا ہے کہ "سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی" (ماخذ ہسٹری وارنز دی ماڈرن مین History warns the modern man)۔اسی عہد کے ایک اور نامور مؤرّخ پروفیسر محمد حبیب کا

بیان ہے کہ ''جتنا کُشت وخون بیسویں صدی میں ہوا ہے اتنا کسی زمانے کی انسانی تاریخ میں نہیں ملتا ہے اور وہ تمام آلات حرب جن سے انسانی تاریخ کو ختم کیا جاسکتا ہے تیار ہو چکے ہیں۔ بد قسمتی سے سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کی اخلاقی ترقی نہیں ہوئی ہے''۔

(ماخذ حضرت نظام الدین اولیاءؒ)

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ ہادیٔ برحق نبی آخرالزماں صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رہنمائی نے عالم بشریت کو ضرورتِ اخلاق کا بے مثل درس دیا اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا اُسلوبِ ہدایت خُلقِ عظیم سے عبارت تھا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اِنَّـمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق'' (ترجمہ) یقین کرو کہ میں بلند ترین اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

زمانۂ صحابہ اور قرونِ اُولیٰ کے بعد جن اکابرِ امّت کو اولیا وصوفیا کے القاب سے پہچانا اور یاد رکھا گیا انہوں نے آنحضرتؐ کے اُسوۂ حسنہ کی تبلیغ پر بھرپور توجہ دی اور ان کی اخلاقی جدّ وجہد سے انسانی معاشرہ کی متحرّک اصلاح ظہور پذیر ہوئی اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اکابر صوفیا نے اپنے افکار وکردار کے انمول خزانے سے انسانی زندگی کو مالا مال کیا۔ ان کی خدمتوں اور تربیّتی کوششوں سے واقفیت شخصیت کی تعمیر اور سیرت کی تربیّت کے دشوار کام میں آج بھی مؤثّر معاونت کرسکتی ہے۔

فی زمانہ وہ رہنمائیاں اور صحبتیں ناپید ہیں کہ جو اخلاقی اقدار کا دلدادہ بنائیں۔ اس ڈھب کے بزرگ انسان اب کہاں ملیں جن کے اخلاقی تصرّف سے لوگ برائیوں سے نفرت کریں اور انسانیت سوز حرکات سے باز آئیں

اخلاقی زوال کی اس مہیب فضا میں ان بے لوث کوششوں کی سخت ضرورت ہے جن سے اخلاقی اقدار پروان چڑھیں۔ کہنے کو دنیا بھر کی مختلف حکومتیں اور سیاسی و مذہبی جماعتیں انسانی حقوق کے تحفّظ اور ضابطۂ اخلاق کے رسمی اور کھوکھلے اعلانات کی تھپکیاں دیتی رہتی ہیں لیکن سماجی بے چینی اور خرابیٔ حالات ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ سچ تو یہ ہے کہ فلاح و بہبود کے نمائشی شور سے خیر کی کوئی صورت نکلنا محال ہے۔

اکیسویں صدی نہایت تشویشناک حالات لے کر آئی ہے۔ منافقت، بغض، کینہ اور حسد عام ہے۔ کنبوں، قبیلوں، فرقوں اور مختلف قوموں کے آپس کے تفرقے اور تنازعات الگ عذاب بنے ہوئے ہیں۔ قتل وغارت اور کُشت وخون روزانہ کی بات ہے۔ دہشت گردی اور تشدّد کے رجحان میں بلا کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے جس نے تمدّنی زندگی کو حد سے زیادہ گدلا کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ بدامنی، فتنہ و فساد اور غیر انسانی خصلتوں نے سارے جہان کو بے حال کر رکھا ہے۔

ان حالات میں معاشرتی آسودگی اور اخلاقی ترقی کے لئے کم سے کم اتنا تو ہوسکتا ہے کہ ہر شخص خود اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے اور اپنے اخلاق کو

ایسا سنوارنے کی کوشش کرے کہ اسے دیکھنے والے ویسا ہی بننے کی حرص کریں۔ اس طرح فرداً فرداً لوگوں میں عادات وخصائل کی وہ خوبیاں اُجاگر ہوتی رہیں گی جسے اخلاق کہہ سکیں۔ رفتہ رفتہ جب انفرادی حیثیت سے بااخلاق لوگوں کی تعداد بڑھے گی تو ماحول سنورنے لگے گا اور بالآخر بڑی تعداد پر مشتمل لوگوں کی اجتماعی فلاح اور بہتری کی امّید نظر آئے گی۔

انفرادی طور پر خود اپنی اصلاح مقصود ہو تو بزرگ اولیا کی قبور پر حاضر ہو کر ان کے اوصافِ حمیدہ کے تصور سے استفادہ کیا جائے۔ کسی بزرگ کی قبر پر حاضر ہونے والے شخص کو صاحبِ قبر کے حال واحوال کا پہلے سے کچھ نہ کچھ علم ضرور ہوتا ہے لیکن قبر کے پاس پہنچنے کے بعد اُس شخص کا ذہن صاحبِ قبر کی سیرت وشخصیّت کی روشن خوبیوں اور بزرگانہ صفات کے شعور کی گرفت میں آجاتا ہے اور طبیعت میں قدرتی طور پر ستھرے کردار، پاکیزہ اخلاق اور نیکیوں سے رغبت کا شوق اُبھرنے لگتا ہے۔

زیارتِ قبور مسلمان کے نزدیک مسنون ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے کا موثر ومعتبر ذریعہ ہے مزید برآں زیارتِ قبور سے عقبیٰ یعنی آخرت کی زندگی کے یقین میں پختگی آتی ہے اور دنیا کی ناپائیدار زندگی کو تہذیب اخلاق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بامقصد اور خوشگوار بنانے کا احساس قوت کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ Life begins from death زندگی

موت (کے بعد) سے شروع ہوتی ہے۔ اگر موت بیداری کا نام نہ ہوتا تو اہلِ قبور کو سلام کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' کے مفہوم سے یہی مقصد ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دم موت وحیات کی حقیقت پیشِ نظر رہے۔

اگر ہم میں سے کوئی یہ گمان کرے کہ قبروں کی مٹّی اور پتھروں میں کیا رکھا ہے تو پھر زمین کعبہ اور تعمیر کعبہ میں شامل پتھروں وغیرہ کے تقدّس کا لحاظ، حجر اسود کو چومنے کا دستور، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا پتھر پر وہ نقش جسے قرآن مجید نے ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلّٰى'' مقام ابراہیم کہہ کر ذکر کیا ہے ادب واحترام کے کس حساب میں ڈالا جائے گا۔ اور ''اِنَّ الصَّفَاوَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ'' الخ (ترجمہ: بے شک کوہِ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ آیت ۱۵۸ سورۂ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۴) کے نصّ قرآن کی کیا توجیہہ یا تاویل کی جاسکتی ہے۔ اور اگر کوہِ صفا اور مروہ کو دوسرے پہاڑوں یا ان کے پتھروں کے مثل قرار دے کر بے ربط بحث میں پڑیں گے تو صفا اور مروہ کے پہاڑوں کو خدا کی نشانیوں میں سے ماننا اور سمجھنا دشوار بلکہ ناممکن ہوگا۔ درحقیقت ایسی نشانیاں جنہیں دیکھ کر الہام کے قدرتی اثر سے روحِ لطیف کی پاکیزگی اور ایمان کی لذّت وقوّت میں اضافہ ہوتو مٹّی اور پتھروں سے بھی مادّیت کے ظلماتی حجابوں کی از خود نفی ہوجاتی ہے۔

یہاں پر یہ عرض کرنا مناسب اور ضروری ہے کہ متن کتاب کی تمہید

کے بطور اخلاق کے مفہوم و منشاء پر اس لئے روشنی ڈالی ہے کہ یہ تالیف دو عظیم صاحبِ تصرّف اولیا کی سوانحِ حیات پر مشتمل ہے۔ دراصل فضائل اخلاق میں ڈھلی ہوئی سیرت بزرگی کی دلیل ہوتی ہے اور اولیائے کرام کی شخصیّت کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہوتی ہے۔ بہرحال یہ پیرایۂ تمہید روایتی نہ سہی تاہم بے سبب اور بے مقصد نہیں ہے۔

حضرت سلطان العارفین صاحب

ولادت ۵۸۴ھ بمقام بخارا وفات ۶۲۸ھ بمقام بدایوں

۲۴ رمضان یوم جمعۃ الوداع

نام ونسب، خاندان، حضرت سلطان العارفین صاحب کا اصل نام حسن ہے۔ **القاب، تحصیل علم** جعفری سیّد ہیں۔ والد کا اسم گرامی سیّد اعزّ الدین احمد جن کا خاندانی تعلق یمن سے تھا اور جو بعد میں یمن سے بخارا آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں حضرت سلطان العارفین صاحب کی ولادت ہوئی شیخ محمد عثمان اور شیخ بدر الدین ابوبکر شاہ ولایت آپ کے چھوٹے بھائی تھے اور ایک بہن بی بی زینب عرف بنّو بی سب سے چھوٹی تھیں بعض لوگ ایک اور بھائی محمد عمر کا بھی نام بتاتے ہیں لیکن نہ تو ان کے مزار کا پتہ ہے اور نہ ان کا ذکر کسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ تینوں بھائیوں نے شادی نہیں کی البتہ بہن بنّو بی کی شادی سیّد عبداللہ ملتانی سے ہوئی۔

گمان غالب ہے کہ آپ کا خاندان شہاب الدین محمد غوری کے ہندوستان فتح کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بخارا سے ہجرت کر کے ملتان آیا۔ اندازہ ہے کہ اس وقت آپ (۱۰) سال کے ہوں گے اور تقریباً (۷) سال آپ کا وہاں قیام رہا۔ اسی دوران آپ نے حاجی جمال ملتاں صاحب سے تحصیل علم کی۔ اس کے بعد تقریباً ایک سال دہلی میں قیام رہا۔ دہلی سے روانہ ہو کر آپ

بعمر اٹھارہ سال التمش کی گورنری کے زمانے میں ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ میں بدایوں پہنچے اور یہیں پر مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کے والدین اور بہن بھائیوں کے علاوہ آپ کے استاد حاجی جمال ملتان صاحب اور بہنوئی سیّد عبداللہ ملتانی بھی بدایوں ساتھ آئے تھے۔

آپ کے کئی القاب ہیں جو نام کے ساتھ معروف ہیں چنانچہ آپ کا پورا نام اس طرح لکھا جاتا ہے: خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر سلطان العارفین سلطانجی صاحب یمنی بخاری بدایونی سہروردی۔ شیخ شاہی اور روشن ضمیر کہہ کر آپ کے مرشد قاضی حمید الدین ناگوری مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ سلطان العارفین کہہ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے آپ سے خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ خاص و عام کی زبان پر "سلطانجی" کا خطاب بھی آنے لگا۔ موئے تاب اس لئے کہلائے کہ بالوں کی رسّیاں بنا کر ذریعہ معاش اختیار فرمایا۔ رسن تاب اب سے ڈیڑھ سو سال قبل صرف مؤلف خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے۔

تحقیق تاریخ ولادت و وفات حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی سلطان العارفین کی سوانحِ حیات کے سلسلے میں گزشتہ سو دو سو سال کے دوران اکثر تذکرہ نگاروں نے سالِ ولادت بھی لکھ دیا ہے اور مدّت عمر بھی درج کی ہے۔ البتہ تذکرۃ الواصلین مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کے فاضل مصنف خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری نے اس ضمن میں یہ تحریر کیا ہے کہ "ان (خواجہ شاہی موتاب) کی تاریخ

تولّد کسی تاریخ سے راقم کو نہیں معلوم ہوئی۔ تاریخ وفات ۲۴ رمضان المبارک ہے، سن معلوم نہیں ہوا''۔

اس سلسلے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت شیخ شاہی اُس مبارک دَور کے مشائخ کبار میں سے ہیں جسے ہندوستان کی تاریخ میں صوفیائے متقدمین کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ نظام الدین ابوالمؤیّد، حضرت شیخ محمود موئینہ دوز، حضرت شیخ احمد نہروال، حضرت شیخ مسعود خواجہ بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت مولانا سیّد علاؤالدین اصولی، اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اس دور کی دُرخشندہ یادگار ہیں۔ قاضی حمید الدین ناگوری شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ ہیں اور ان کا شمار سلطان شمس الدین التمش کے عہد کے نہایت معزّز و مقتدر علماء و صوفیا میں ہوتا ہے اور حضرت شیخ شاہی سلطان العارفین قاضی حمید الدین ناگوری کے محبوب و برگزیدہ مرید و خلیفہ ہیں۔

حضرت شیخ شاہی کے والدین بخارا سے ہجرت کر کے جب ہندوستان آئے تو اوّلاً ملتان میں تقریباً ۷ سال قیام پذیر رہے۔ ملتان پہنچنے کے وقت شیخ شاہی کی عمر اندازاً ۱۰ سال ہوگی۔ وہیں پر انہوں نے قاضی حسام الدین المعروف حاجی جمال ملتانی صاحب سے تکمیلِ علم کی۔ اسی زمانے میں وہاں پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی،

۴۵۲۲۵

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اور قاضی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے۔ خواجہ قطب صاحب سے بابا فرید شکر گنج کا اوّل سابقہ ملتان ہی میں ہوا۔ بابا فرید اس وقت ۱۸ سال کے تھے جب خواجہ قطب صاحب نے ان کو اپنے ساتھ ملتان سے دہلی لے جا کر مرید کیا۔

بعض حوالوں سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ سلطان العارفین شیخ شاہی اور بابا فرید گنج شکر قریب قریب ہم عمر ہوں گے لیکن غالب خیال یہ ہے کہ آپ سے بابا فرید ۶-۷ سال بڑے تھے۔

بابا فرید کا وصال ۵ محرم ۶۷۰ھ کو بعمر ۹۳ سال ہوا۔ آپ کا سالِ ولادت ۵۷۶ھ ہے۔ اور بعمر ۱۸ سال ۵۹۴ھ میں خواجہ قطب صاحب کے مرید ہوئے۔ اس تفصیل کے پیشِ نظر یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ شیخ شاہی سلطان العارفین صاحب کے خاندان کا ہندوستان آمد کا سال ۵۹۴ھ کے لگ بھگ ہوگا اور اس تناظر میں حضرت شیخ شاہی سلطان العارفین صاحب کا سال ولادت ۵۸۴ھ متعین ہوسکتا ہے۔ گویا بابا فرید آپ سے ۶-۷ سال بڑے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی صاحب کا بیان ہے ”خواجہ شاہی ہم در جوانی رحلت فرمود“ (ترجمہ) خواجہ شاہی نے جوانی ہی میں رحلت فرمائی۔ جوانی کا اطلاق از حد ۴۰ سال کی عمر تک کیا جا سکتا ہے لیکن شیخ شاہی کے حالات زندگی کے تناظر میں جھانکنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمر

۴۰ سال سے زائد ہوگی۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے ارشاد کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ وفات کے وقت خواجہ شاہی موئے تاب کی عمر ۵۰ سال سے متجاوز نہ تھی یا یوں کہہ لیں کہ ۴۰ اور ۵۰ سال کے درمیان ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی ٹھوس روایت نہیں ملتی جس کی مدد سے خواجہ شاہی موئے تاب کی عمر اور تاریخ وفات کے تعیّن میں کسی قیاس و جستجو کی گنجائش نظر آئے۔

گزشتہ ۲۰۰-۲۵۰ سال کے درمیان کے مختلف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکروں کے حوالوں سے حضرت خواجہ شاہی موئے تاب کا سالِ وفات ۶۲۷ھ۔ ۶۲۸ھ۔ ۶۳۱ھ اور ۶۳۳ھ بتایا جاتا ہے۔ اگر ۵۸۴ھ سال ولادت تسلیم کیا جائے تو وفات کے وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۴۳ سال ہوگی اس لئے ۶۲۷ھ یا ۶۲۸ھ میں سے وفات کا کوئی ایک سال درست ہوسکتا ہے۔ راقم نے اس معاملے میں تاریخ احسن مؤلفہ مولوی عبدالحیؔ صفا بدایونی مطبوعہ ۱۹۱۵ء اور ''بدایوں قدیم و جدید'' مطبوعہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء مرتّبہ نظامؔی بدایونی کے حوالے سے ۶۲۸ھ کو ترجیح دی ہے۔

صدہا سال سے حضرت سلطان العارفین صاحب کا عرس شریف ۲۴ رمضان کو ہوتا ہے اور یہی تاریخ وفات تسلیم کی جاتی ہے۔ مختلف تذکروں کے مندرجہ سنینِ وفات کے ساتھ جمعۃ الوداع ۲۴ رمضان لکھا چلا آتا ہے لیکن از روئے تقویم سنینِ مذکورہ میں سے صرف ۶۲۸ھ میں ۲۴ رمضان کو جمعۃ الوداع تھا۔ اس لئے

یہی کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آپ کی تاریخ وفات جمعۃ الوداع ۲۴ رمضان المبارک ۶۲۸ھ ہے۔ البتہ تاریخ احسن میں ۲۴ رمضان کے علاوہ ۲۲ شوال بھی لکھی ہے۔

حضرت سلطان العارفین کی ابدی آرام گاہ ''بڑی زیارت'' اور ''پاروالی زیارت'' کہلاتی ہے اور عام طور پر آپ کو ''بڑے سرکار'' کہا جاتا ہے۔

تحقیق شجرۂ نسب تذکرۃ الواصلین مطبوعہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں حضرت سلطان العارفین صاحب کے نسب نامہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ ''آپ سادات حُسینی سے ہیں'' البتہ حضرت مذاق میاں صاحب بدایونی (م ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء) نے اپنے ایک معروف قصیدۂ منقبت میں واضح طور پر یہ بھی نظم فرمایا ہے کہ آپ جعفری سیّد ہیں ؎

آپ تو آلِ نبیؐ ہیں اور اولادِ علیؓ — ابن حضرت فاطمہؓ یا حضرت سلطانجیؒ
ہونسب میں تم حُسینی نام نامی ہے حسن — حُسن میں زین العبا یا حضرت سلطانجیؒ
تم میں آیا ہے امامِ باقرِ عادل کا عدل — تم ہو عادل بادشا یا حضرت سلطانجیؒ
تم کو پہنچی ہے امامِ جعفرِ صادق کی اِرث — تم ہو باصدق و صفا یا حضرت سلطانجیؒ
اے حسنؔ موتاب تم بندہ کے ہو مشکل کُشا — سربسر عقدے ہوں وا یا حضرت سلطانجیؒ
جعفری سیّد ہو تم اور شیخ شاہی ہے لقب — ہے حسنؔ نام آپ کا یا حضرت سلطانجیؒ

ماضی قریب کے تذکرہ نگاروں نے مزید یہ صراحت کی ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب ۱۴ واسطوں کے بعد پندرھویں پشت میں حضرت امام حُسین علیہ السلام سے ملتا ہے اور درمیانی ناموں کی تفصیل بھی دی ہے۔ اس تفصیل میں کچھ غلطیاں

ایسی ہیں جن کا تاریخی حقائق سے تصادُم ہوتا ہے۔ اس لئے مروّجہ شجرے کی نقل میں ہم نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ ان غلطیوں کی نشاندہی کے علاوہ دلیل اور سند کے ساتھ ممکن حد تک تصحیح ہو جائے۔ مفصّل سلسلۂ نسب جسے مختلف تذکرہ نویسوں نے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ لکھا ہے دو ناموں کے جزوی اضافہ کے علاوہ مِن وَعَن حسب ذیل ہے:۔

۱۔ خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب یمنی بدایونی سہروردی — وفات ۲۴ رمضان المبارک بیوم جمعۃ الوداع ۶۲۸ھ بعمر ۴۳ سال بمقام بدایوں۔

۲۔ خواجہ سیّد اعزالدین احمد یمنی بخاری — عام روایت کے مطابق ۶۰۵ھ میں بمقام بدایوں وفات پائی۔ یہ تاریخ دُرست معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ کے بدایوں آنے کے سال کا تعیّن ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی عمر سو سال یا اس سے زائد ہوئی لیکن حالات کی تفصیل کے پیشِ نظر اس قدر طویل عمر کسی طور پر قرین قیاس نہیں۔

۳۔ سیّد ابراہیم یمنی ثُمّ بخاری — بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ بہرا اہی

سیّد سالار مسعود غازی ۴۲۱ھ میں آپ نے بمقام بدایوں شہادت پائی ۔ اس طرح سیّد اعزالدین احمد کے سن وفات ۶۰۵ھ اور ان کے والد سیّد ابراہیم کے مذکورہ زمانۂ شہادت کے درمیان ۱۸۴ سال کا طویل وقفہ ہوجاتا ہے جو خلاف اعتبار ہے اس لئے یہ روایت بعید از فہم ہے اور صحیح نہیں معلوم ہوتی ۔

۴۔ سیّد محمد سمعان
۵۔ سیّد احمد زکریا
۶۔ سیّد اسحٰق
۷۔ سیّد احسن
۸۔ سیّد معروف
۹۔ سیّد حسام الدین یمنی
۱۰۔ سیّد رشید الدین عرف سیّد رشید مدنی

اسماء نمبر ۴ تا نمبر ۱۰ اس شجرۂ نسب کے مطابق ہیں جو کسی تاریخی حوالے کے بغیر کم وبیش ۱۲۵ سال سے رواجاً نقل چلا آتا ہے باقی تفصیل نمبر ۱۱ کے ذیل میں ہے۔

۱۱۔ محمدؔ۔ حسنؔ۔ حُسینؔ

سیّدؒ رشید مدنی نام کے کوئی فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم یا ان کے سگے بھائی اسحٰق ابن امام جعفر صادق کے نہیں تھے۔ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی جعفری سیّد ہیں اگر آپ امام موسیٰ کاظم کی آل میں ہوتے تو کاظمی کہے جاتے چنانچہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ حضرت امام موسیٰ کاظم کے برادر شقیق یعنی سگے بھائی حضرت اسحٰق بن امام جعفر صادق کی نسل سے ہوں گے۔ حضرت اسحٰق کے تین فرزند تھے جن سے آئندہ نسل چلی لہذا ان میں سے کوئی ایک حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی کے فر جد اعلیٰ ہوں گے۔ اسی لئے نمبر ۱۰ تک کے نام مروّجہ شجرہ کے مطابق ہیں اور گیارہویں نمبر پر حضرت اسحٰق بن جعفر صادق کے تینوں فرزندوں محمدؔ۔ حسنؔ اور حسینؔ کے نام درج کئے گئے ہیں پھر حضرت اسحٰق برادر شقیق حضرت امام موسیٰ

کاظم کا نام درج کیا گیا ہے۔ نسبی شجروں کے جانچنے کے لئے کم از کم ۴ پشت فی صد سال کا اوسط لازماً درکار ہوتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق سے حضرت سلطان العارفین صاحب تک ۴۵۰ سال سے زیادہ کا عرصہ درمیان میں ہے۔ اصولاً اس درمیان میں ۱۶-۱۷ نام ہونے چاہئیں مذکورہ شجرہ میں صرف گیارہ نام درمیان میں ہیں جس سے اس نسب نامہ کی نقل میں عدم احتیاط کا گمان ہوتا ہے۔ بہر حال اس سے آگے تحقیق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں پر یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں تاریخ کی ان مستند کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں اکابر اسلام خصوصاً اماماں اہل بیت کے سلسلۂ نسل و نسب کی تفصیل ملتی ہے۔

۱۲۔ حضرت ابو محمد اسحٰق بن امام جعفر صادق برادر شقیق (سگے بھائی) حضرت امام موسیٰ کاظم۔

حضرت اسحٰق بن جعفر صادق کا لقب موتمن (امانت دار) اور ابو محمد کنیّت ہے۔ شیعہ کا ایک فرقہ ان کو امام مانتا ہے۔ یہ امام موسیٰ کاظم کے سگے بھائی ہیں۔ ان کی نسل محمدؔ۔ حسنؔ اور حُسین تین فرزندان سے جاری ہے۔ حضرت خواجہ حسنؔ شیخ شاہی کا منقول شجرہ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت کے سگے بھائی ہونے کی وجہ سے ان کے اپنے اصل نام کے ساتھ برادر امام موسیٰ کاظم تحریر میں آتا رہا، بعد میں سہواً صرف امام موسیٰ کاظم کا نام لکھا چلا آیا۔ شجرہ نویسی وغیرہ میں اس طرز کی مثالیں موجود ہیں مثلاً طریقت کے شجرۂ قادریہ رزّاقیہ بانسویہ میں سیّد عبدالرّزاق خلف غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد سیّد محمد بن ابی صالح قادری اور حضرت سیّد محمد کے بعد میر سیّد احمد برادر سیّد محمد بغدادی لکھے چلے آتے ہیں۔ خزینۃ الاصفیا اور

ماضی قریب کے ایک تذکرہ بزم صوفیہ میں
منجملۂ خلفا خواجہ قطب الدین بختیار کا کی
شیخ بدرالدین موئے تاب برادر شیخ شاہی
موئے تاب لکھا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے
کہ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی جعفری سیّد
ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت
امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزندان
میں سے منصب امامت پر فائز امام موسیٰ
کاظم کے علاوہ کسی دوسرے فرزند کے
سلسلۂ نسل سے ہیں۔

۱۳۔ حضرت امام جعفر صادق

جعفر نام، صادق لقب، ابوعبداللہ کنیّت ہے۔
ولادت ۸۳ھ۔ وفات ۱۴۸ھ بعمر ۶۵ سال۔
بمقام مدینہ منوّرہ بقیع میں اپنے والد کے
بائیں پہلو میں جانب شمال قبّۂ اہل بیت
میں مدفون ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق
کی نسل پانچ فرزندان سے چلی۔

(۱) اسمٰعیل (۲) موسیٰ کاظم (۳) علی العُریضی (۴) محمد المامون یا محمد دیباج اور (۵) اسحٰق سے جاری ہے۔ حضرت اسمٰعیل اپنے والد کے فرزندِ اکبر ہیں۔ اسمٰعیلیہ انہی کو حضرت امام جعفر صادق کے بعد امام مانتے ہیں۔ سر آغا خان کا سلسلۂ نسب انہی تک منتہی ہوتا ہے اور ان کی نسل دو فرزندوں (۱) محمد اور (۲) علی سے جاری ہے۔ علی مُلقّب بہ ضیاء الدین کے سلسلۂ نسب میں مخدوم سیّد علاؤالدین علی احمد صابر کلیری ہیں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم:۔ موسیٰ نام، کاظم لقب، ابوالحسن اور ابوابراہیم کنیت ہے، ولادت ۱۲۸ھ وفات ۶ رجب ۱۸۳ھ بعمر ۵۵ سال بمقام بغداد ہوئی۔ حضرت امام جعفر صادق کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔ یہ ۲۳ پسران اور ۳۷ دختران

کے والد ہیں۔ اولاد نرینہ میں سے پانچ
(۱) عبدالرحمٰن (۲) عقیل (۳) قاسم
(۴) یحییٰ اور (۵) داؤد لاولد تھے۔ تین
(۱) سلیمان (۲) فضل اور (۳) احمد کے
صرف اولاد دختری تھی۔ پانچ (۱) حُسین
(۲) ابراہیم الاکبر (۳) ہارون (۴) زید
اور (۵) حسن کی اولاد کے متعلق علمائے
نسب میں اختلاف ہے۔ دس (۱) علی الرّضا
(۲) ابراہیم الاصغر (۳) عباس (۴) اسمٰعیل
(۵) محمد (۶) اسحٰق (۷) حمزہ (۸) عبداللہ
(۹) عبیداللہ اور (۱۰) جعفر کی نسل جاری
ہے۔ خواجہ بزرگ سلطان الہند حضرت
معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری
ابراہیم الاصغر بن امام موسیٰ کاظم کی اولاد
ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور
سیّد جلال الدین عرف میر سرخ بخاری بھی
امام موسیٰ کاظم ہی کی شاخ سے ہیں۔

خواجۂ قطب الدین بختیار کا کی کا سلسلۂ نسب علی المختار بن جعفر توّاب برادر امام حسن عسکری بن امام علی نقی الہادی بن امام محمد تقی الجواد بن امام علی الرّضا بن امام موسیٰ کاظم کے واسطے سے امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔

۱۴۔ حضرت امام محمد باقرؒ

محمد نام۔ باقر لقب۔ ابو جعفر کنیّت ہے۔ ولادت مدینہ منوّرہ میں ۵۷ھ اور وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ بقیع مدینہ منوّرہ میں قبّۂ اہل بیت میں اپنے والد کے بائیں پہلو میں جانب شمال دفن ہوئے۔ واقعۂ کربلا میں تقریباً ۳ سال کے تھے۔ ان کی نسل صرف امام جعفر صادق سے جاری ہے۔

۱۵۔ حضرت امام زین العابدین

اسم مبارک علی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے زین العابدین اور عابد سجّاد لقب

پڑ گئے۔ واقعہ کربلا میں عمر مبارک ۲۳ سال
تھی۔ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بعمر ۵۷ سال
۹۵ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع مدینہ
منوّرہ قبّہ اہل بیت میں اپنے تایا حضرت
امام حسن علیہ السلام کے بائیں پہلو میں شمال
کی طرف قبر اطہر ہے۔ مدینہ منوّرہ میں قبلہ
جنوب کی سمت ہے۔ امام زین العابدین
کی نسل دنیا میں چھ فرزندان (۱) محمد باقر
(۲) عبداللہ الباہر (۳) زید الشہید
(۴) عمر الاشرف (۵) حُسین الاصغر اور
(٦) علی الاصغر سے جاری اور باقی ہے۔
دو بیٹیاں امّ کلثوم اور خدیجہ تھیں۔ ان
دونوں کا سلسلہ نسل بھی باقی ہے۔

۱۶۔ حضرت امام حُسین علیہ السلام سبط الرّسول ﷺ

حضرت علی ابن ابی طالب زوج جناب سیّدہ فاطمہ زہرا سیّدۃ النّساء خاتونِ جنّت کے فرزند اصغر ہیں۔ ولادت ۵ شعبان

۴ھ بمقام مدینہ منوّرہ۔ شہادت بروز جمعہ
عشرۂ محرم ۶۱ھ بعمر ۵۷ سال چند ماہ بمقام
عراق میدانِ کربلا میں جسے طف بھی کہتے
ہیں بعد زوال آغاز وقت ظہر میں ہوئی۔

۱۷۔ حضرت امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ
ولادت بمقام مکّہ، شہادت ۲۱ رمضان ۴۰ھ بعمر ۶۳ سال بمقام کوفہ۔ قبر اطہر نجف اشرف عراق میں ہے۔

سوانح حیات

حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین

آپ کی ولادت اغلباً ۵۸۴ھ میں بخارا میں ہوئی۔ نسباً جعفری سیّد ہیں۔ ملتان میں حاجی جمال ملتاں صاحب سے تحصیل علم کی۔ سلسلۂ بیعت سہروردیہ ہے۔ قاضی حمیدالدین ناگوری کے مرید وخلیفہ ہیں۔ خوابگاہ بدایوں میں ہے جسے بڑی زیارت، بڑی سرکار اور پار والی زیارت کہتے ہیں اور آپ کو بڑے سرکار اور بڑے میاں کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔

صدیاں گزر گئیں حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے لوگ دور دور سے رات دن آتے رہتے ہیں اور آپ کی روحانی توجہ اور تصرّف سے دین ودنیا کی مرادیں پاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جس طرح حیاتِ ظاہری میں آپ کی دعا سے لوگوں کی حاجتیں روا ہوتی تھیں بعدِ وفات بھی اسی طرح سے آپ کا فیض جاری ہے۔

حضرت شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین صاحب کے مستند حالات کا اوّلین ماخذ فارسی زبان میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات موسوم بہ فوائدالفواد ہیں۔ آپ کی وفات کے کئی سو سال بعد کی بعض تصانیف میں آپ کا تھوڑا بہت حال ملتا ہے لیکن پچھلے دو سو سال کے اندر لکھے گئے مطبوعہ وغیر مطبوعہ تذکروں میں آپ کی بزرگی کے واقعات وغیرہ تفصیل

سے مذکور ہیں۔الغرض ان حوالوں سے حسب ضرورت اقتباسات ترتیب وار درج ذیل ہیں:۔

سہ شنبہ ۱۰ ذی القعدہ ۷۱۶ھ مجلس ۳۶ جلد ۴ فوائد الفواد

''کچھ تذکرہ خواجہ شاہی موئے تاب کا ہونے لگا کہ جو بداؤں میں تھے ۔ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے فرمایا کہ قاضی حمیدالدین ناگوری ان کو شاہی روشن ضمیر کہتے تھے۔اس وقت جب انہوں نے خواجہ شاہی موئے تاب کو خرقہ عطا کیا تو شیخ محمود موئینہ دوز کے پاس کسی کو بھیجا اور یہ کہلوایا کہ آج ہم نے یہ کام کیا ہے کہ خواجہ شاہی کو خرقہ دیا۔کیا تمہیں یہ بات پسند ہے۔شیخ محمود موئینہ دوز نے فرمایا کہ آپ جو کچھ بھی پسند کریں پسندیدہ ہی ہوتا ہے اور وہ صحیح اور درست ہوتا ہے''۔

دوسرے تذکروں میں ہے کہ قاضی حمیدالدین ناگوری نے خواجہ شاہی موئے تاب کو خرقہ پہنا کر فرمایا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں جاؤ۔حضرت خواجہ شاہی موئے تاب کو اس طرح جاتے ہوئے دل میں شرم سی محسوس ہو رہی تھی ۔مرشد نے کشف سے کہا کہ شاہی روشن ضمیر کا ایسا ہی لباس ہوتا ہے۔بہر حال جب آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے آپ کو سلطان العارفین کہہ کر مخاطب فرمایا معانقہ کیا اور فرمایا نہ صرف حیاتِ ظاہری میں بعد ممات میں بھی شاہی کرو گے۔

اسی مجلس میں خواجہ شاہی موئے تاب کے ذکر کے ساتھ ہی ان کے بھائی خواجہ ابوبکر موئے تاب کا ذکر آیا۔اس کے بعد بداؤں کے دوسرے درویشوں کا تذکرہ ہوتا رہا۔پھر دوبارہ خواجہ شاہی موئے تاب کا تذکرہ ہونے لگا۔سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا نے فرمایا کہ ''ان (خواجہ شاہی موئے تاب) سے بداؤں میں بڑی رونق پیدا ہوئی اور جس جگہ جہاں کہیں وہ جاتے بھیڑ لگ جاتی تھی اور یہ خواجہ شاہی موئے تاب گہرے سانولے رنگ کے تھے۔اس زمانے میں ایک درویش (مجذوب) تھا جسے مسعود نخّاسی کہتے تھے۔ جب وہ خواجہ شاہی کو اس شور و غوغا کے ساتھ دیکھتا تو یہ کہتا تھا، اے سیہ تو نے حمام خوب گرم کیا ہے، جل جائے گا۔ پھر حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ وہی ہوا جو اس نے کہا تھا خواجہ شاہی نے جوانی ہی میں رحلت فرمائی''۔

سہ شنبہ ۱۲ ذی الحجہ ۷۱۲ھ مجلس ۲ جلد ۳ فوائد الفواد

''بہت سے لوگ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں حاضر تھے۔ان میں سے بعض کے لئے سائے میں جگہ نہ تھی سورج کے نیچے دھوپ میں بیٹھے تھے۔آپ نے ان سے جو سائے میں تھے فرمایا کہ تم مل کر بیٹھ جاؤ تا کہ ان لوگوں کو بھی سائے میں جگہ مل جائے وہ دھوپ کی گرمی میں بیٹھے ہیں اور میں جل رہا ہوں (یعنی ان کی اس تکلیف کا مجھے سخت احساس ہے اور مجھے ان کی تکلیف سے تکلیف ہو رہی ہے) پھر اسی مناسبت سے آپ نے ایک

واقعہ اس طرح بیان فرمایا:۔ ''بداؤں میں ایک بزرگ تھے انہیں خواجہ شاہی موئے تاب کہتے تھے۔ایک باران کے دوست سیر کے لئے کسی جگہ ساتھ لے گئے اور انہوں نے وہاں جا کر کھیر پکائی ۔ جب کھانا سامنے آیا خواجہ شاہی موئے تاب نے کہا اس کھانے میں خیانت کی گئی ہے۔بات یہ تھی کہ دو شخصوں نے قبل اس کے کہ وہ کھیر سب دوستوں کے سامنے لائی جائے اس میں سے کھالی تھی اور درویشوں کے نزدیک یہ بڑی خطا ہوتی ہے۔الغرض جب شیخ شاہی نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہوا کہ دوستوں کے سامنے لانے سے پہلے کوئی اس میں سے کھائے۔انہوں نے بتایا کہ کھیر کی دیگ میں جوش آیا تھا اور باہر گرنے لگی۔ہم نے اسے جو باہر گری لے لیا۔سوچا کہ اب اس کا کیا کریں، گرنے دیں لامحالہ ہم نے کھالیا۔آپ (خواجہ شاہی موئے تاب) نے فرمایا، بہر حال اس کا کھانا غلطی تھی ،اسے ایسے ہی چھوڑ دیتے گرنے دیا ہوتا۔بہر نوع آپ نے یہ عذر قبول نہ کیا اور جب وہ دونوں دوست آپ کے سامنے آئے سورج نکلا ہوا تھا اور وہ دونوں سورج کے نیچے دھوپ میں کھڑے ہوئے ان کا پسینہ چھوٹنے لگا۔یہ حال دیکھ کر خواجہ شاہی نے فرمایا حجام کو بلواؤ۔انہوں نے کہا کیا کریں گے کس لئے ۔خواجہ شاہی نے فرمایا کہ جس قدر خون میرے دوستوں کا بہہ گیا ہے، میں کہوں کہ میرا اتنا خون نکالے۔حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے جب یہ بات ختم کی تو فرمایا، شاد باش (یعنی کتنی مبارک اور خوش ہونے کی قابل تعریف بات ہے) کہ

محبت ایسی اور انصاف کی نگہداشت اسقدر''۔

اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے ان کی یعنی خواجہ شاہی موئے تاب کی بزرگی کا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ ''ایک مرتبہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید کو کوئی بیماری لاحق ہوئی۔ انہوں نے ان شاہی موئے تاب کو بلوایا اور کہا ہمت باندھئے (ہمت کے مؤثر ہونے کے لئے یقین بہت ضروری چیز ہے یعنی یقین کے ساتھ کوشش کیجئے) کہ میری یہ بیماری صحت میں تبدیل ہوجائے۔ خواجہ شاہی نے معذرت چاہی اور کہا کہ آپ بزرگ ہیں اور یہ چیز مجھ سے چاہتے ہیں۔ میں ایک مرد بازاری (عام سا آدمی) ہوں۔ آپ مجھ سے اس کی بابت نہ کہیں۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے یہ عذر نہ سنا اور کہا آپ کو دعا کرنا ہوگی اور ہمت باندھنا ہوگی تاکہ میں صحت پاؤں۔ خواجہ شاہی موئے تاب نے کہا اچھا میرے دو دوستوں کو بلوائیں۔ ان میں سے ایک کا لقب شرف تھا جو مردِ صالح تھا اور دوسرا ایک درزی تھا۔ (یہ ہفت احمد میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی شہرت احمد خیاط کے نام سے ہے) الغرض ان دونوں کو بلوایا گیا۔ خواجہ شاہی نے ان دونوں سے کہا کہ شیخ نظام الدین نے مجھ سے اس کام کے لئے فرمایا ہے۔ اب تم دونوں اس کام میں میرے ساتھ شامل ہو۔ شیخ کے سر سے سینہ تک میں جانوں یعنی متوجہ رہوں گا اور اعضائے سفلی سینہ سے ایک پاؤں تک تم میں سے کوئی ایک جانے یعنی توجہ کرے اور دوسرے پاؤں

تک دوسرا متوجہ رہے۔ بالآخر یہ تینوں مشغول ہوئے اور شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی بیماری صحت سے بدل گئی''۔

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے ان ہی بزرگ (خواجہ شاہی موئے تاب) کی یہ کرامت بھی بیان فرمائی کہ وہ اکثر فرماتے تھے کہ ''میری وفات کے بعد اگر کسی کو کوئی مشکل یا حاجت پیش آئے تو اس سے کہو وہ تین روز میری قبر کی زیارت کو آئے۔ اگر تین روز گزر جائیں اور اس کا وہ کام پورا نہ ہو تو چوتھے روز آئے اور اگر چوتھے روز بھی اس کی حاجت پوری نہ ہو تو پانچویں دن میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے یعنی کھود کر بے نام و نشان کر دے''۔

ازشمس المعارف مجموعہ مکاتیب مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی

مطبوعہ باب اسلام پرنٹنگ پریس کراچی ۱۹۶۹ء

صوفی وزیر حسن زبیری پرانا قلعہ بانس بریلی کے رہنے والے اور شاہ سلیمان پھلواروی کے مریدِ خاص اور خلیفہ تھے۔ بحیثیت قرقِ امین بدایوں تعیناتی کے زمانے میں حضرت سلطان العارفین صاحب میں حاضری کے پابند تھے۔ مفتی محمد ابراہیم سمستی پوری بدایونی کے خصوصی دوست تھے۔ اقتباساتِ ذیل علاوہ ایک خط کے انہی کے نام کے خطوط سے اخذ ہیں۔

خط نمبر ۱۲ بنام وزیر حسن: بدایوں شریف کی تبدیلی مناسب حال ہے۔ وہاں حضرت شیخ شاہی موئے تاب کے آستانے پر جب میں حاضر ہوا تھا تو ایک

عجیب پُر زور طاقت سے اس جناب نے میرے قلب پر تصرّف کیا کہ ایک مدت تک دوسرا رنگ اس پر نہ چڑھ سکا۔ وہ نہایت ہی پُر زور صاحبِ تصرّف بزرگ ہیں رحمۃ اللہ علیہ۔ تم ہر پنجشنبہ کو وہاں حاضر ہوتے رہنا اور اپنے آپ کو محمد سلیمان سمجھ لینا اور فقط فاتحہ درود سے کام لینا۔ ادھر متوجہ زیادہ نہ رہنا۔ تمہارا قلب ان کے فیوض کا متحمل نہ ہو سکے گا۔

بنام وزیر حسن خط نمبر ۸: اے عزیز اصل چیز مراقبہ ہے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب کے عرس میں شریک ہو کر اس فقیر کی جانب سے فاتحہ پڑھنا اور جب تک رہنا میرا تبرزخ کرنا۔ اس سے مجھے بھی اس جناب سے استفاضہ ہو جائے گا ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نہ رسم ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

بنام فرزند دوم مولانا شاہ حسین پھلواروی خط نمبر ۳: اے فرزند اس خواب کی وہ لذّت ہے کہ اس وقت تک اسی سے سیراب ہوں۔ بعد مغرب پیرانِ طریقت میں ایک مستقل فاتحہ اس جناب کا بھی پڑھا اور اب انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کو یہ معمول کر لوں گا۔ نورِ چشم وزیر حسن حضرت سلطان العارفین صاحب شیخ شاہی موئے تاب بدایونی قدس سرہٗ کے مزار پر برابر حاضر ہوتے ہیں اور ان سے مستفیض ہوتے ہیں اور وہ سہروردی ہیں۔ میرا خیال ہے یہ استفاضہ میرا اس جناب سے نورِ چشم وزیر حسن کے لئے خاص کر ہے۔ اس خط کی نقل ایک میاں

وزیر اور ایک میاں شریف اعظم کے پاس بھیج دو تا کہ روزانہ فاتحہ شیخ الشیوخ کا وہ لوگ التزام کریں (از پرتاب گڑھ)۔ دراصل جمعہ کے روز قیلولے کے دوران خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مزار مبارک پر بغداد شریف میں حاضر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس خواب کو مفصل لکھنے کے بعد مولانا سلیمان پھلواروی نے اپنے منجھلے بیٹے کو یہ خط لکھا تھا۔

بنام وزیر حسن خط نمبر ۱۵ مؤرخہ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء: حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار پر جو واقعات تمہارے ساتھ پیش آئے یہ کوئی تعجب خیز معاملہ نہیں ہے۔ سنو جب قلب میں صفائی آتی ہے تو وہ نورانیت سے آئینہ ہو جاتا ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات بلاغور و فکر اس میں سامنے آجاتے ہیں اور مستقبل کے واقعات کی مثالیں حال میں صورت پذیر ہو جاتی ہیں۔ سالک کو ابتدائے سلوک میں ایسا بہت پیش آیا کرتا ہے۔ اب سمجھو کہ سقّے کا آنا اور کٹورے میں پانی ڈال کر پلانا یہ اصل واقعہ ہے جیسا کہ ظہور میں آیا۔

حضرت سلطان العارفین صاحب کے حضور میں تم بیٹھے تھے۔ ان کے فیضان سے تمہارے قلب کا ظلماتی حجاب ہٹ گیا تھا اور وہ کٹورے کا پانی پہلے ہی تمہارے سامنے مثال ہو کر آ گیا تھا۔ حضرت سلطان العارفین کا جامِ عشق اور پیالۂ محبت اور ساغرِ وحدت ابھی تم سے بہت دور ہے اور اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے اور گھبرانے اور مایوس ہونے کی بات نہیں ہے "دیر آید درست آید" باقی حال

تمہارا بدستور سابق ہے۔اس کے متعلق کیارائے ظاہر کروں۔کام کئے جاؤاور شغلِ درود میں مستغرق رہواور دامنِ محمدی کو مضبوط پکڑے رہواور ذوق وشوق میں یوں کہتے رہو ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بہ جاناں یا جاں زتن برآید

بنام وزیر حسن خط نمبر ۲۵ مؤرخہ یکشنبہ ۸ شوال ۱۳۳۷ھ (یہ خط کا درمیانی حصہ ہے) تمہارے دو خطوط پہنچے پہلے تم نے خبر دی تھی کہ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب سلام اللہ علیہ کا جاذبہ بتوسط حضرت سلطان العارفین مجھ پر غالب ہوااور پھر کیا دیکھا اور کیا دیکھا فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۱۲۰۵ھ کی تصنیف ہدایت الخلوق بزبان فارسی مصنفہ مولانا محمد افضل بدایونی کہ جواُن کے مرشد حضرت سیّد شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب مارہروی کے ملفوظات وکرامات پر مشتمل ہے اور جس کا اردو ترجمہ حکیم حاجی حافظ مجاہد الدین ذاکر بدایونی نے بفرمائش ومشورہ مولوی حاجی حافظ علی اسد اللہ مجیدی قادری بدایونی بنام تنبیہ الخلوق ۱۲۷۴ھ میں کیا۔ مندرج ذیل واقعہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔یہ کتابیں قلمی غیر مطبوعہ ہیں:۔

ک ۲۹: ۲۴ رمضان المبارک کو عرس حضرت سلطان العارفین صاحب روشن ضمیر شیخ شاہی حسن موئے تاب کا بمقام بدایوں ان کے مزار شریف پر

بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ اکثر لوگ شب کو وہاں رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ شاہ بیفکر صاحب بھی شب باش ہوئے تھے۔ وقت بامداد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ہزار ہا شعلے نور کے روشن ہیں اور ہر چہار طرف آواز گھوڑوں کی ٹاپوں کی آتی ہے۔ آسمان سے ناگاہ تخت جناب رسالتمآب سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نازل ہوا۔ تمامی اولیاء عصر اور شہدائے دہر ہمرکاب تھے۔ ایک ساعت زیارت میں توقف فرما کر تخت روانہ ہوا۔ حضرتؐ اس پر سوار تھے۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما جانب یمین تھے اور حضرات ختنین رضی اللہ عنہما جانب یسار تھے اور جناب مولانا فخر الدین اورنگ آبادی پیچھے تخت کا پایہ پکڑے تھے اور تمام اولیا گرد و پیش درود گویاں تھے۔ شاہ صاحب ہمراہ سواری رسول باری کے ہوئے۔ جب سواری مبارک دروازہ جنوبی قلعہ بدایوں پر جہاں سے ابتداء سوتہ محلّہ کی ہے اور وہاں مقبرہ حاجی فتح اللہ اور شیخ چاؤ کا ہے پہنچے۔ آناً فاناً جلسہ فرما کر آگے کو روانہ ہوئے اور مسجد متولّیان (خان والی مسجد) کے برابر ہوتے ہوئے پیش دروازہ جامع مسجد پہنچے اور وہاں ٹھہر گئے اور ایک خیمہ بہت عمدہ ایستادہ ہو گیا۔ اس میں بہت عمدہ فرش بچھا۔ اس میں حضرت مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور تمام اولیاء و شہداء بقدر منزلت صف باندھ کر ایستادہ ہوئے شاہ صاحب (شاہ بیفکر) کو فکر یہ ہوئی کہ میرے مرشد (حضور اچھے میاں صاحب) کہاں ہیں بعد جستجوئے بسیار صفوف اولیا میں جلوہ گر پایا۔ آداب بجالائے۔

اس وقت حضرت کے دست مبارک میں ایک عصا سیاہ تھا وہ ان کو عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس مجمع متفرقہ کو جمع کر۔ یہ حکم حضرت بجالا کر پھر خدمتِ حضرت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مرشد اعلیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر جناب سرورِ عالم کے روبرو لے گئے اور عرض کیا یہ غلام حضور کا ہے۔ شاہ صاحب نے سر اپنا حضورؐ کے قدموں پر رکھ دیا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت سبّابہ یعنی انگشت شہادت سرتاپشت شاہ صاحب پر رکھ کر فرمایا تو مجھ سے ہے۔ زہے سعادت ابدی خہے دولتِ سرمدی جس کو حضرت فرماویں مجھ سے ہے۔ خداوند پاک بتصدق روح صاحب لولاک اور بتوجہ جناب مرشد اعلیٰ ہر مرید خاندان برکاتی کو بدیں منوال جمال جہاں آرا جناب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب کرے۔ راقم الحروف (مجاہدالدین) کہتا ہے کہ اس حکایت سے ہم سکنائے محلّہ سوتہ کو بڑا افتخار حاصل ہوگیا کہ حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس محلّے میں تشریف لائے اور جہاں سے سوتہ شروع ہے وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور جہاں سوتہ ختم ہوا ہے وہاں جلسہ ہوا اور حضرت بہت دیر ٹھہرے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب کا حجرۂ اقامت جامع مسجد کے قریب وہیں پر ہے جہاں پر جلسہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر ٹھہرے۔

از ملفوظات طیّبات مؤلفۂ مولانا محمد ایثار علی شاہ عرف مولوی میاں خلف و جانشین حضرت مذاق میاں صاحب بدایونی قدس سرہٗ (قلمی غیر مطبوعہ)

۱۳۰۴ھ میں راقم الحروف (مولوی ایثار علی شاہ صاحب) حضرت قبلہ (مذاق میاں صاحب) کے ہمرکاب سعادت اول بار عرس حضرت خواجۂ خواجگان رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوا۔ راقم الحروف کی عمر ۱۴ سال تھی اور شرح ملّا جامی پڑھتا تھا۔ آپ نے اس سفر میں داخل سلسلہ فرمایا۔ اس کے بعد ۱۳۰۵ھ میں پھر وہاں سے دھار و امجہر وغیرہ گئے۔ اس کے بعد اِندور آکر قیام ہوا۔ یہاں سے جاؤرہ کا قصد فرمایا۔ اِندور میں راقم کی طبیعت نا درست ہوگئی۔ اس علالت کے دوران حضرت نے سینہ سے سینہ ملا کر اور دست بدست خود لے کر فرمایا کہ ہم نے جمیع خانوادہ ہا و سلاسل و معمولات کی جو ہم کو اپنے مرشدان سے پہنچے اجازت دی اور خلافت بخشی۔ اسی سال ۱۳۰۵ھ میں راقم کو عارضہ پیچش کا سخت لاحق ہوا جو سال ڈیڑھ سال رہا۔ اس اثناء میں اِندور میں حکیم حاذق حکیم اعظم خاں صاحب مرحوم صاحب اکسیر اعظم کو دکھایا گیا اور دہلی میں حکیم عبدالمجید مرحوم نے بھی دیکھا اور ڈاکٹری یونانی قسم قسم کے علاج ہوئے مگر کسی سے نفع حاصل نہ ہوا اور مرض زیادہ ہوا یعنی پیچش سے خون بھی آنے لگا۔ بالآخر جاؤرہ سے واپسی میں اجمیر شریف حضرت خواجہ کے روضۂ اقدس پر کمترین نے حضور

سے عرض کیا کہ مجھ کو یہاں آرام ہوگا یہاں حاضر رہوں۔ حضور قبلہ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ تمہارے لئے بدایوں شریف حضرت سلطان العارفین سلطانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رہنے کا حکم ہے۔ چنانچہ بماہ شوال ۱۳۰۵ھ کمترین آستانہ مبارک حضرت سلطان العارفین سلطانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر حاضر ہوا اور پانچ مہینے کم و بیش اس طرح حاضر رہا کہ شہر کو نہ آیا اور بفضلہٖ تعالیٰ بغیر دوا اور علاج ظاہری ترک دوا علاج سے وہاں کے دار الشفاء سے بندہ کو شفا و صحت حاصل ہوئی لیکن صحتِ کلّی اس روز سے شروع ہوئی کہ حضور قبلہ نے حضرت سلطانجی صاحب کی منقبت میں ایک ترجیع بند لکھ کر حاضر کیا اور مجھ کو مزار مبارک پر لے جا کر کچھ عرض کیا اور حکم دیا کہ یہ روزانہ حضور سلطان العارفین سلطانجی صاحب میں پڑھا کرو۔ میاں محمد سعید خانصاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت پر وہ بھی وہاں موجود تھے۔ اس ترجیع بند کا پہلا بند یہ ہے ؎

سرتا بپا وہ سروِ بُستان پنجتن ہیں
نازک بدن ہیں روح و ریحان پنجتن ہیں
پاک ان کا جان وتن ہے وہ جانِ پنجتن ہیں
وہ شافئ دل و جاں جانانِ پنجتن ہیں
امراضِ جسم و جاں کے خواجہ حسنؒ شفا ہیں
سلطانجی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

۱۸۵۷ء کا ایک خاص واقعہ

بحوالہ تذکرۃ الواصلین حضرت سلطان العارفین صاحب کے ذکر میں

''ایام غدر ۱۸۵۷ء میں ہزار ہا دہاقین نے مجمع کر کے اہالیان شیخو پور پر واسطے لوٹنے شیخ زادوں (بابا فرید گنج شکر کی اولاد ساکن شیخو پور بدایوں) کے محاصرہ شیخو پور کیا۔ شیخ صاحبان نے دروازے شیخو پور کے بند کر لئے اور طاقت دفع کرنے اس مجمع کثیر کی ان کو نہ تھی۔ چند آدمی سرائے جالندھری اور موضع گورامئی سے ان گنواروں کے مقابلے کے لئے آئے اگر چہ وہ ہزار ہا آدمیوں کی جماعت تھی الاّ بہ عنایت الٰہی سب دہاقین فرار ہوئے اور کئی سو آدمی کے قریب گنواروں کے مارے گئے اور اس طرف سے کسی کو کوئی زخم بھی نہ آیا۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ شاہی سلطانجی صاحب سبز عمامہ باندھے ہوئے شیخو پور کی طرف تشریف لے جاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ بابا فرید شکر گنج کی اولاد پر گنواروں نے یورش کی ہے۔ ہم ان کے دفع کو جاتے ہیں۔ اکثر دہاقین جو اس مجمع میں شامل تھے وہ یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ ہمارے اوپر مسلمانوں کی طرف سے صدہا سوار سبز پوش حملہ آور ہوئے تب ہم سب لوگ اپنی جان بچا کر بھاگے اور ہمارے بہت لوگ مارے گئے۔ بس یہ واقعات ہمارے زمانے کے ہیں۔ ہم (خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری مؤلف تذکرۃ الواصلین) نے بہت سے حالات بوجہ طوالت ہو جانے کے نہیں لکھے۔ اسی پر اکتفا کیا''۔

میانجی عبدالملک انصاری کا ایک واقعہ

بحوالہ تذکرۃ الواصلین و دیگر روایات

میانجی عبدالملک انصاری حضور اچھے میاں صاحب مارہروی کے مرید اور بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ مرشد سے سلسلۂ قادریہ کی خلافت حاصل تھی۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ امان اللہ حسینی عرف خلیفہ تلّو۔ میاں امداد حسین اور شیخ محمد عنایت حسین۔ ۱۲ رمضان ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

حاجی حافظ سلطان بخش خلف میانجی عظیم اللہ جو ایک صالح بزرگ تھے اپنے والد سے سُنا ہوا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میانجی عبدالملک انصاری کے صاحبزادے میاں امان اللہ حُسینی عرف تلّو فوج میں بھرتی ہو کر لام پر گئے ہوئے تھے۔ مدت سے ان کی خیر خبر نہیں آئی تھی۔ میانجی روزانہ متردّد ہو کر شیخ شاہی میں جا کر لڑکے کی خیریت ملنے کی آنجناب سے استدعا کرتے تھے۔ جب انہیں کئی روز اس طرح جاتے جاتے گزر چکے تو ایک دن پُل سوت پر پہنچ کر دل میں وسواس پیدا ہوا کہ شاید اولیاء اللہ کی کرامتیں بعد وفات کے کم ہو جایا کرتی ہیں ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مجھے اب تک امان اللہ کی خیریت معلوم نہ ہوتی۔ اتنے دن مجھے مزار پر اسی غرض سے آتے ہو گئے۔ پھر یکا یک وہ وسواس دل سے دور ہو گیا اور لاحول پڑھتے ہوئے شیخ شاہی میں حاضر ہوئے۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد غمگین حالت میں ایک کنارے ہونے سے کچھ غنودگی سی آ گئی۔ دیکھتے کیا

ہیں کہ سلطانجی صاحب شیخ شاہی رونق اُفروز ہیں اور میانجی عبدالملک کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ میانجی ہماری کرامتیں مرنے کے بعد کم نہیں ہوتی ہیں۔ جاؤ گھر پہنچنے پر تم اپنے بیٹے کی خبر پاؤ گے۔ گھبرانا اچھا نہیں ہوتا ہے۔ میانجی یہ دیکھتے ہی چونک پڑے اور آنکھیں ملتے ہوئے گھر آئے۔ یہاں آتے ہی خط ملا جس میں خیریت بیٹے کی لکھی تھی مگر زخمی ہونا تحریر تھا۔ یہی وجہ تاخیر خط آنے میں ہوئی تھی۔

حکیم فضل الرحمٰن عرف حکیم پالکی کے والد حاجی حافظ سلطان بخش کی پیدائش کا واقعہ

میرے خاص دوست حکیم وہاج احمد، حکیم ابوالمجد مولوی سراج احمد کے بیٹے اور حکیم پالکی کے سگے بھانجے یہ بیان کرتے تھے کہ ''میری والدہ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے دادا عظیم اللہ کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ انھوں نے حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی کے یہاں چلّہ کشی کی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکا عطا فرمایا، مسمّی سلطان بخش''

حکیم فضل الرحمٰن عرف حکیم پالکی کی بھینس جب بیاہتی تھی تو ہمیشہ اس کی کھیر پک کر پہلے سلطانجی سلطان العارفین صاحب کے یہاں جاتی تھی۔ اور حضرت سلطان العارفین کے عرس کے روز ۲۴ رمضان المبارک کو حکیم صاحب بڑے اہتمام کے ساتھ سلطانجی صاحب میں جا کر روزہ افطار کرتے تھے۔

مولانا محمد دلدار علی شاہ مذاقؔ المعروف بہ مذاق میاں کی اہلیہ کی علالت وصحت یابی کا واقعہ

مولانا حاجی حافظ حکیم مجاہدالدین احمد ذاکرؔ متولّی بدایونی کی ایک تصنیف مظہرالاسلام جو سوانح رسول کریم سے متعلق ۹۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کے آخر میں مصنف نے بعض اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں مذاقؔ میاں کے تذکرے میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے۔ نقل مطابق اصل مخطوطہ غیر مطبوعہ بقلم مصنف حسبِ ذیل ہے:۔

''حضرت مولانا مذاق پر بڑی مہربانی حضرت قدوۃ السالکین حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی۔ ایک اپنی دیکھی بیان کرتا ہوں۔ ایک وقت میں (بزمانہ ۱۲۷۲ھ و ۱۲۷۳ھ) حضرت کی زوجہ بعارضہ جنون سخت مبتلا تھیں۔ ہر چند علاج کیا افاقہ نہ ہوا۔ آخر لاچار ہو کر زیارت مبارک حضرت سلطان العارفین میں لے گئے اور ایک درخت سے باندھ دیا اور حضرت سے رجوع کی۔ میں اس وقت ایک اکابر شہر مولانا فضل رسول صاحب کا معالج تھا۔ فرصت کم ملتی تھی۔ عام بیماروں کا نقصان ہوتا تھا۔ ایک دن حضرت مولانا مذاقؔ ان صاحب کے مکان پر تشریف لائے اور ان کو آداب عرض کیا اور مزاج پرسی کی بعد کو پھر مجھ سے فرمایا کہ رات جناب سلطان العارفین صاحب کا یہ حکم ہوا ہے کہ کچھ علاج اپنی بیمار کا مجاہدالدین سے کراؤ سو میں حسب الحکم آپ سے درخواست

علاج کی کرتا ہوں۔ ہنوز میں نے کچھ جواب نہ عرض کیا تھا کہ وہ حضرت جن کا میں معالج تھا فرمانے لگے کہ تمہارے کہنے کا کیا اعتبار ہے۔ ان سے حضرت سلطانجی کہیں تب یہ علاج کریں۔ مولانا کو بہت ناگوار معلوم ہوا اور آداب عرض کر کے چلے گے اور ان کے رنجیدہ چلے جانے کا مجھ کو ملال ہوا۔ جب ان حضرت کی خدمت سے میں فارغ ہوا قریب دو پہر تھا۔ ایام گرما تھے۔ آفتاب تابش پہ تھا۔ میں گھر آیا۔ چاہا کہ کھانا کھاؤں مگر طبیعت نے نہ چاہا۔ ایک عزیز نے کہا کیا حال ہے کوئی فکر ہے میں نے سب حال عرض کیا۔ جو لوگ موجود تھے سب نے کہا ضرور علاج کرو ابھی چلے جاؤ۔ پیر بخش ملازم نے کہا دھوپ تیز ہے میں سواری لاتا ہوں ابھی چلے جاؤ۔ میں نے کہا میں سواری پر نہیں جاؤں گا۔ تم چھتری لگا لیو چلو۔ جب میں پیر بخش کے ہمراہ باہر آیا کچھ غبار آندھی کا سا معلوم ہوا۔ پیر بخش نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ آندھی آئی ہے۔ میں نبیؐ خانہ میں ٹھہر گیا۔ (نبیؐ خانہ رہائشی مکان کے سامنے پاس ہی تھا) دو چار جھوکے ہوا کے آئے اور چھوٹی چھوٹی بوندیاں پڑنے لگیں۔ نہایت ہوا خنک ہوگئی۔ میں ہمراہ پیر بخش کے چل دیا۔ جس وقت قریب اوپر پارہ (محلّہ کا نام) کے پہنچا شیخ غازی الدین خادم درگاہ ملے۔ انہوں نے کہا جس وقت سے آندھی آئی ہے مولانا دلدار علی تمہارے منتظر ٹہلتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیوں ٹہلتے ہیں۔ فرمایا کہ میں رنج میں سو گیا تھا مجھ سے حضرت (سلطانجی صاحب) نے فرمایا

کہ مجاہدالدین آتا ہے، تم سوتے ہو، میں ان کا منتظر ہوں۔ میرے (مجاہدالدین) دل میں اس کلام نے زیادہ اثر کیا۔ میں تیز چلا۔ دیکھا تو مولانا دروازہ درگاہ معلیٰ کا پکڑے کھڑے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر کوئی شعر فارسی کا پڑھا وہ مجھ کو اس وقت یاد نہیں اور فرمایا میاں اہل غرض مجنوں ہوتا ہے۔ میری خطا معاف ہو۔ میں نے بہت عذر کیا۔ آخر بیمار کو دیکھا تو مانیا سے جنون بڑھا ہوا تھا۔ مارنے کو تیار۔ ذرا ہوش نہیں۔ مولانا کی تسکین کر کے زیارت میں گیا۔ قبر شریف پر حضرت کی عرض کیا۔ خیال جو کیا تو بجز تنقیہ کامل کچھ خیال میں نہ آیا۔ مولانا سے عرض کیا کہ حضرت غور سے نسخہ لکھ کر کل حاضر کروں گا۔ رخصت ہو کر گھر کو چلا۔ بن میں خدّام درگاہ ایک درخت دُدّہی (بتّنے) کا کاٹ رہے تھے۔ اس کی سبزی اچھی معلوم ہوئی خیال ہوا کہ جب حضرت سلطانجی کا ارشاد ہے تو مجھ کو زیادہ فکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کے بن کی گھاس فائدہ دے گی۔ پیر بخش سے کہا تھوڑے سے پتّے اس درخت کے لیتے آؤ۔ اس نے لے لئے۔ گھر آ کے جوش دے کر اس کا مطبوخ شکر ڈال کر شام کو پیر بخش کے ہاتھ بھیج دیا اور کہہ دیا یہ پلا دیو۔ تین روز کے بعد دوا تبدیل کروں گا۔ خدا کی قدرت اور حضرت سلطانجی کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ اس سے اسی رات میں سولہ ۱۶ دست سیاہ مواد کے آئے۔ صبح کو جو مریضہ کو دیکھا بالکل ہوش قائم تھے وہ حالت نہیں تھی۔ وہ مطبوخ گیارہ ۱۱ روز دیا۔ بالکل صحیح و سالم ہو گئیں۔ آج تک صحیح و سالم اور سلامت ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ مولانا کو بہت اولیاء اللہ کی روح سے فیض ہوا ہے اور بہت عمائد اور شرفا اور امرا اور غربا مولانا کے مرید اور خلیفہ ہیں ؎

یا الٰہی اس مذاق باصفا کے واسطے
مُلتجی ہوں تجھ سے میں عفو خطا کے واسطے

اس واقعہ کو مذاق میاں نے سلطانجی صاحب کی ایک منقبت میں نظم کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

صاحبِ معرفت اہل عرفاں عارفوں کے ہو شہا تم سلطاں

اور مقطع یہ ہے ؎

اس قصیدے کا رکھا میں نے مذاقؔ نام تاریخی مذاق العرفاں
۷۳ھ ۱۲
المطابق ۱۸۵۶ء

نقل خط محمد اسمٰعیل فناؔ بدایونی

بسلسلۂ حالات حضرت سلطان العارفین سلطانجی صاحب

590۔ پی۔ آئی۔ بی کالونی کراچی

المرقومہ ۱۱ جون ۱۹۷۸ء

محترمی ابرار بھائی السلام علیکم

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بدایوں کے اولیائے کرام اور بزرگان دین

سے نہ صرف مقامی مسلمانوں کو بلالحاظ عقیدہ و مسلک کس قدر عقیدت اور ارادتمندی ہے بلکہ دور دور سے لوگ زیارت اور فاتحہ خوانی کے لئے آتے ہیں خصوصاً حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کا مزارِ مبارک جو بڑی زیارت یا پاروالی زیارت کے نام سے مشہور ہے ہر وقت مرجع خلائق رہتا ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر اس سلسلے میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا حوالہ دیا جائے ؎

زِبس کز مرکز اہل بصیرت منبع جوداست بجائے سُرمہ در دیدہ کشم خاک بداؤں را

آخری مرتبہ ۱۹۷۰ء میں بدایوں جانے کا اتفاق ہوا اور رمضان المبارک کا مہینہ بھی وہیں گزارنا پڑا۔ اس طرح ۲۴ رمضان المبارک کو عرس میں بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ وہاں جا کر تو میں دنگ رہ گیا۔ تقسیم ہند سے پیشتر صرف عرس کے دن مسلمان دوکانداروں کی چند دوکانیں ہوتی تھیں اور آبادی کے اعتبار سے زائرین کی تعداد بھی بہت زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اب تو نقشہ ہی بالکل بدل گیا ہے۔ عرس نے ملے جُلے ہندو مسلم میلہ کی شکل اختیار کر لی ہے جہاں مسلمانوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ہندو بھی شرکت کرتے ہیں اور ہر وقت کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ بلا مبالغہ سیکڑوں دوکانیں لگتی ہیں اور یہ حالت تین دن برابر جاری رہتی ہے۔

ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل سڑک کے پاس دھرم شالے کی جو

عمارت ہے اس میں ہندو مسافروں کے قیام کا بہت اچھا انتظام ہے۔ وہاں کافی لوگ ٹھہرتے ہیں اور ہر وقت رونق رہتی ہے۔ اس کے برعکس قریب ہی جو مسلم مسافر خانہ بنوایا گیا ہے عموماً سنسان اور ویران ہی نظر آتا ہے۔ بیشتر مسلمان بھی وہاں ٹھہرنے کے بجائے جگت پیاؤ کی عمارت میں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں ہندو مسلمان دونوں کے ٹھہرنے کا معقول انتظام ہے۔ دھرم شالہ کی عمارت سے بالکل ملحق بدایوں میونسپلٹی کی چوکی اور ٹرمینل ٹیکس سب آفس ہے جو دھرم شالہ چوکی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ غالباً ۱۹۴۹ء کا واقعہ ہے کہ ایک روز میں ٹرمینل ٹیکس سب آفس کا معائنہ کر رہا تھا کہ ایک خوش پوش ہندو نوجوان جو اپنے لب ولہجہ اور صورت سے غیر مقامی معلوم ہو رہا تھا اور کچھ متردّد اور مضمحل نظر آ رہا تھا، آ کر چوکی کے ایک منشی سے کچھ سرگوشیاں کرنے لگا۔ لاشعوری طور پر میری نگاہیں اٹھ گئیں تو میں نے دیکھا کہ تین چار قدم کے فاصلے پر ایک ہندو عورت بھی بہت صاف وشفاف لباس میں ملبوس حیران و پریشان کھڑی تھی۔ میں نے اجنبی سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے اور کیا یہ خاتون بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ جی ہاں وہ میری بیوی ہے ہم لوگ امرتسر سے آئے ہیں اور اسی دھرم شالہ میں قیام پذیر ہیں۔ ہم بڑی زیارت جانا چاہتے ہیں مگر دھرم شالہ کے مہتمم پنڈت جی نے ہم کو منع کر دیا کہ مسلمانوں کے مزاروں پر نہ جاؤ۔ شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے گھر واپس

لوٹ جاؤ۔ میں نذرانے کی رقم منشی جی کو دینا چاہتا ہوں کہ ہماری طرف سے زیارت جاکر فاتحہ خوانی کرادیں۔ میں نے ایک کرسی اس خاتون کو بیٹھنے کو بھجوادی اور نوجوان سے چند سوالات کئے۔ مزید استفسار پر اس نے بتلایا کہ وہ لوگ دو سال پہلے بھی بدایوں آئے تھے اور زیارت پر جاکر اولاد کی دعا مانگی تھی۔ ان کی شادی کو کئی سال گزر چکے تھے مگر اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے شہر میں ہی بڑی زیارت کا شہرہ سنا تھا۔ زیارت پر حاضری کے بعد خدا نے انہیں ایک چاند سا بیٹا دیا۔ چنانچہ وہ لوگ ایفائے عہد کی خاطر مزار پر چادر چڑھانے اور لوگوں کو مٹھائی تقسیم کرنے آئے تھے مگر انہیں بڑا دکھ تھا کہ وہ مزار پر حاضری سے محروم واپس جارہے ہیں۔

اسی اثناء میں ایک لاری جس میں پولیس کی بھاری جمعیت اور کوتوالِ شہر موجود تھے شہر کا گشت کرتی ہوئی چوکی کے سامنے آکر ٹھہری۔ میں اس نوجوان کی عقیدت مندی اور باتوں سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ میں نے پولیس کی لاری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ دیکھو یہ پولیس کی لاری ہے اور اس میں اگلی نشست پر کوتوالِ شہر بیٹھے ہیں جو پنڈت ہیں۔ تم ان سے مشورہ کرلو۔ یہ بہت سلجھے ہوئے اور اچھے افسر ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اگر وہ تم کو مشورہ دیں تو تم زیارت کرنے کے لئے چلے جانا۔ جب تم اتنے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے یہاں تک پہنچ گئے ہو تو میں چاہتا ہوں کہ تم مزار پر

بھی حاضری دے آؤ۔ شہر میں دو چار دن پہلے کچھ فرقہ وارانہ کشیدگی ضرور پیدا ہوگئی تھی مگر کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا۔ اب بالکل امن وامان ہے۔ دھرم شالہ کے پنڈت نے تم کو صرف بربنائے تعصب مزار پر جانے سے منع کیا ہے۔ میری باتیں سن کر اس شخص کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور کہنے لگا کہ مجھے کوتوال کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ کی باتوں پر یقین ہے۔ میں مزار پر حاضری دینے ضرور جاؤں گا اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہو البتہ آپ میری یہ مدد کریں کہ اپنا ایک آدمی ہمارے ساتھ کر دیں۔ میں نے ایک آدمی اس کام پر متعین کر دیا اور وہ خوش خوش میرا شکریہ ادا کرتا ہوا اپنی بیوی کو ساتھ لے کر دھرم شالہ کو چلا گیا۔

دوسرے دن جب میں معائنہ کے لئے سب آفس گیا تو منشی جی نے مٹھائی کا ایک ڈبہ میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہا کہ لالہ جی کل زیارت گئے تھے یہ تبرک آپ کو دے گئے ہیں اور بہت بہت سلام کہہ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ مٹھائی تم لوگ کھالو اور دھرم شالہ سے لالہ جی کو بلواؤ۔ ان سے باتیں کریں گے۔ منشی جی نے بتلایا کہ وہ تو رات ہی کی ٹرین سے واپس چلے گئے اور سب لوگوں کو فرداً فرداً مٹھائی تقسیم کر گئے ہیں اور مزارِ مبارک پر بھی تمام حاضرین کو مٹھائی تقسیم کی اور بہت خوش تھے کہ ان کی مزار پر حاضری کی تمنا پوری ہوگئی۔

آپ کے ارشاد کی تعمیل میں یہ چشم دید واقعہ سپردِ قلم کر کے ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ ایسے نہ معلوم کتنے واقعات سے سابقہ پڑا جن کے نقوش بھی اب دھندلے ہو چکے ہیں پھر بھی بقول فانیؔ بدایونی ؎

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہے

آپ کی دعاؤں کا طالب۔ محمد اسمٰعیل فناؔ بدایونی

ایک عجیب وغریب کرامت
سَوسَوا سَو سال قبل کا واقعہ

بحوالہ حضرت جدّی ومرشدی مولانا محمد ایثار علی شاہ صاحب

مرزا محمد سراج الدین بیگ ابن حافظ جمال الدین دہلی کے ایک ممتاز اور آسودہ حال گھرانے کے فرد تھے۔ ریاست جاؤرہ سے بھی تعلق تھا۔ ان کا انتقال ۱۹۴۲ء میں بعمر ۸۵ سال ریاست جاؤرہ (مالوہ) میں ہوا۔ مرزا صاحب کی زندگی کے دو واقعات حضرت سلطان العارفین صاحب کے فیض وتصرّف کی ایک روشن مثال ہیں۔

ایک دن سرراہ کسی فقیر کو مرزا جی نے کچھ پیسے دیئے۔ اس فقیر نے برا بھلا کہنا شروع کیا اور ان پیسوں کو پھینک دیا۔ مرزا جی کو یہ بات بہت بری لگی اور انہوں نے بھی فقیر کو کچھ سخت سست کہا۔ اس پر فقیر کہنے لگا، مارے مارے پھروگے پھر بھی تم کو اتنے پیسے مشکل سے ملیں گے۔ اس واقعہ کے بعد مرزا جی کے حالات اس قدر خراب ہوئے کہ وہ اپنے گھر اور شہر سے چلے گئے اور فکرِ معاش میں سرگرداں رہے۔ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے رہے۔ کوئی پیر فقیر نہ چھوڑا جہاں دعا کے لئے نہ گئے ہوں مگر کام نہ بنا۔ حالات کی خرابی اور تنگدستی نے جینا دوبھر کر دیا۔ اس دوران میں کسی نے ان سے بدایوں حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار پر جانے کے لئے کہا۔ غرض کسی نہ کسی طرح

سے حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار پر بدایوں پہنچ گئے۔ تھکن وغیرہ کا غلبہ تھا، وہاں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگے۔ اس وقت کسی کے کہنے کی یہ آواز سنائی دی، مرزا جی رساول کھالو اور مرزا جی نے دیکھا کہ ان کے پیچھے کسی کے دونوں ہاتھ ملے ہوئے سامنے آئے اور ان پر رساول سے بھرا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ مرزا جی نے پیالے کو دیکھ کر کہا، کیا بالائی کے بغیر رساول کھائی جاتی ہے۔ یکایک وہ ہاتھ غائب ہوگئے۔ پھر تھوڑی دیر میں دوبارہ دیکھا کہ بالائی پڑا ہوا رساول کا پیالہ اسی طرح سے سامنے آیا اب کے مرزا جی نے رساول کھالی۔ بھوکے پیاسے تو تھے ہی رساول کا کھانا تھا کہ مرزا جی کی سب تھکن وغیرہ غائب ہوئی اور دم میں دم آیا۔ اس وقت کسی صاحب نے آکر مرزا جی سے پوچھا، آپ کہاں سے آئے ہیں، کیا حاجت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد چند روز میں از غیب زادِراہ وغیرہ کا بندوبست ہوا۔ کوئی صاحب گوالیار جانے والے تھے وہ اپنے ساتھ مرزا جی کو گوالیار لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی مرزا جی کو پولیس کی ملازمت مل گئی۔

گوالیار میں مرزا جی شہر کوتوال تھے۔ اس زمانے میں وہاں پر ایک مشہور ڈاکو نے شہر میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری سے شہریوں کی زندگی اجیرن کردی تھی اور وہ کسی صورت سے قابو میں نہیں آرہا تھا۔ مہاراجہ کے علم میں یہ بات آئی تو اس نے مرزا جی کو بلا کر سخت تنبیہ کی اور مرزا جی کی پیٹی اُتروادی

اور پندرہ دن کی مہلت دے کر یہ کہا، اگر پندرہ دن کے اندر ڈاکو نہ پکڑا گیا تو پھر تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ مرزا جی یہ شرمندگی اور بے عزتی برداشت نہ کر سکے اور گھر والوں کو بتائے بغیر بھوکے پیاسے بدایوں شریف حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار پر جا کے بہت روئے اور کہا، میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک آپ ڈاکو پکڑنے میں میری رہنمائی نہیں فرمائیں گے۔ اسی طرح سے تین دن گزر گئے تیسرے دن روتے روتے مرزا جی کی آنکھ لگ گئی اور خواب میں بتایا گیا کہ فقیر کے لباس میں ایک کاسہ ہاتھ میں لے کر فلاں جگہ پر بیٹھ جاؤ رات کے چار بجے وہاں سے ڈاکو اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزرے گا۔ تم گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشانات سے اسکی جائے پناہ دیکھ کر پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا کر اسے زندہ گرفتار کر لینا۔ جیسے ہی آنکھ کھلی مرزا جی خوشی خوشی فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے اور اسی طرح سے ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے مہاراجہ کے سامنے پیش کر دیا۔ مہاراجہ اس قدر خوش ہوا کہ نہ صرف نوکری بحال کی بلکہ انعام کے طور پر مرزا جی کو ایک سونے کی تلوار دی۔

۱۰۰ سال پہلے کا ایک معجزانہ واقعہ

ابوالفضل شمس الدین آل احمد عباسی الہاشمی حضرت مذاق میاں صاحب کی بڑی بیٹی کے منجھلے لڑکے تھے۔ اپنے نانا کے مرید بھی تھے۔ ان کی شادی اپنی چھوٹی خالہ کی بڑی بیٹی سے ہوئی تھی اور ان کے صرف ایک لڑکے معظم الدین

محمد ہاشمی ہوئے۔ محمد ہاشمی کا کچھ عرصے قبل کراچی میں انتقال ہوا۔ ان کے صرف ایک لڑکی ہوئی جو ماشاء اللہ صاحبِ اولاد اور بقیدِ حیات ہے۔

آل احمد صاحب کی جوانی کی عمر تھی کہ یکایک ان کے چہرہ پر چھالوں کی شکل میں بڑے بڑے مہاسے تیزی سے نکلتے رہے اور چند روز میں پورا چہرہ اس قسم کے مہاسوں سے بھر گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان کی والدہ نے سلطان العارفین سلطانجی صاحب کے مزار مبارک پر چالیس دن کی نیّت سے حاضری دینا شروع کی اور ہر روز زیارت سے واپسی پر بیٹے کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ انتالیسویں دن مزار پر حاضری دے کر گھر واپس آئیں اور بیٹے کا چہرہ دیکھا تو صرف ایک مہاسہ باقی تھا۔ چالیسویں روز مزار پر حاضری دینے کے بعد گھر واپس آ کر جب اپنے بیٹے آل احمد کے چہرے کو دیکھا تو ایک بھی مہاسہ نہ تھا۔ چہرہ پہلے کی طرح سے صاف ستھرا تھا۔

تم ہو عامل تم ہو کامل تم ہو حاکم تم حکیم   تم دعا ہو تم دوا یا حضرت سلطانجیؒ

بحوالہ "تاریخ شیخ شاہی" بزبان فارسی قلمی وغیر مطبوعہ

مؤلفہ مولوی امانت حسین دانشمندی متوفیٰ ۱۲۸۸ھ المطابق ۱۸۷۴ء

تاریخ شیخ شاہی میں منجملہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ مولوی محبوب عالم دانشمندی تحصیلدار ان کے والد ناقل ہیں: مولوی قطب الدین اور میاں عالم شاہ دانشمندی میں باہم نزاع جائداد پر تھا۔

مسٹر جے وائٹ کلکٹر بدایوں کا زمانہ تھا۔ ۱۸۷۰ء میں مقدمہ ہائی کورٹ میں تھا۔ میاں بہادر شاہ پسر میاں عالم شاہ نے اس مقدمہ کی غرض سے حضرت سلطانجی میں حاضری کا معمول کرلیا تھا۔ روزانہ بلا ناغہ بعد نماز فجر جا کر حاضری دیا کرتے تھے۔ ہمارے شہر کے بڑے مولوی فضل رسول صاحب عثمانی بدایونی بھی ان دنوں آستانہ شریف پر چلّہ کش تھے۔ وہ ایک دن میاں بہادر شاہ کو روزانہ بڑی پابندی کے ساتھ حاضر ہوتا دیکھ کر دل میں خیال کرنے لگے کہ یہ ناحق آتے ہیں، کیا رکھا ہے۔ سلطانجی صاحب مولوی قطب الدین کا ترکہ انہیں دلوادیں گے وہ حقدار نہیں ہیں۔ سب جائداد کیسے انہیں مل جائے گی۔ خدا کی شان اسی رات مولانا موصوف نے خواب میں دیکھا، سلطانجی کا اجلاس گرم ہے۔ مقدمات پیش ہو رہے ہیں۔ ایک مقدمہ قطب الدین بنام عالم شاہ پکارا گیا اور پیش ہو کر حکم ہوا کہ ”مقدمہ ڈِسمس ہووے۔ رسپانڈنٹ کا خرچہ اپیلانٹ دے“ اس حکم کے سنتے ہی مولانا بڑے استعجاب سے سلطانجی صاحب کا منہ تکنے لگے اور دل میں کہنے لگے کہ سلطانجی صاحب نے غیر مستحق کو سب جائداد دلادی۔ مولانا ممدوح کا یہ خیال کرنا ہی تھا کہ سلطانجی صاحب نے نگاہ اٹھا کر مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا ”مولوی تم ہم پر حد شرع نہیں قائم کر سکتے ہو۔ یہ ہر وقت کا ہمارے یہاں کا حاضر باش ہے۔ ہم نے اس کے حسب مراد مقدمہ فیصل کر دیا۔ قباحت کیا ہوئی۔ مولانا نے یہ سن کر سر نیچا کر لیا اور یک بیک خواب سے چونک پڑے۔ اس وقت اتفاق

سے مولانا کے پاس ایک کتاب رکھی ہوئی تھی۔ اسے کھولتے ہی یہ لکھا دیکھا کہ غیر مکلّف پر حد شرع نہیں قائم ہوسکتی اور اولیا بعد ممات غیر مکلّف ہوتے ہیں۔ یہ تصرّف جناب سلطان العارفین سلطانجی صاحب کا دیکھ کر مولانا دانت تلے انگلی داب کر رہ گئے۔ اس کے بعد میاں بہادر شاہ معمول سے ذرا دیر کر کے حاضر آستانہ ہوئے۔ مولانا نے انہیں دیکھتے ہی مقدمہ حسبِ مراد ہونے کی خوشخبری سنائی۔ وہ اچنبھے میں ہوگئے۔ جب سارا واقعہ خواب سنا تب ان کو اپنی کامیابی کا اطمینان ہوا۔ راوی کہتا ہے کہ وہی دن ہائیکورٹ میں اس مقدمہ کی پیشی کا تھا اور اس روز میاں عالم شاہ کے حق میں وہ مقدمہ فیصل ہوا۔ پھر اس خبر کی شہرت عام شہر میں ہوگئی۔ چنانچہ مولانا بعد کو اس روز سے بہ توجہ نظر رحمت سلطانجی صاحب کے میاں شاہ عالم و نیز ان کی اولاد سے خلوص و محبت رکھنے لگے تھے۔

کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصفا مؤلفہ ملّا عبدالقادر فاروقی متخلّص قادری مؤرخ بدایونی عربی میں ہے۔ اس کتاب کو متاخرین یعنی بعد کے لوگوں نے تاریخ بدایوں سے تعبیر کیا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسی عمدہ اور پُر معنی کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں مسٹر جان پلیٹس صاحب انسپکٹر مدارس ممالک متوسط نے ۱۸۷۱ء میں کیا اور بزبان انگلش مسٹر ایسٹوک صاحب نے ترجمہ ۱۸۵۱ء میں کیا تھا۔ اصل عربی کتاب مع ہر دو تراجم فارسی و انگریزی تین کالموں میں برٹ فورڈ کے مقام سے ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی جس کے

ملنے کا پتہ ٹائپ پریس لندن وگلاسکو درج تھا اور پانچ مجلّدات کی قیمت نقرئی سکّہ رائج الوقت پچیس روپئے تھی۔ اس تفصیل کے ساتھ اخبار پانیر لکھنؤ میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو ایک غیر مطبوعہ تذکرے سے راقم کو دستیاب ہوا۔ کشف الغطاء کا قدیم نسخہ اور مذاق میاں کے دادا املاّ قطب الدین کی لکھی ہوئی شرح کشف الغطاء کا قلمی نسخہ حضرت جدّی و مرشدی مولانا محمد ایثار علی شاہ صاحب کے پاس تھا۔ الغرض کشف الغطاء کی اصل عربی عبارت سے یہ اقتباس کہ جو حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے ذکرِ جمیل پر مبنی ہے پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اقتباسِ ذیل اصل موضوع کے حسن تحریر کا باعث ہوگا۔

قال صاحب کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصَّفا:

اَنّهٗ سَمِعۡتُ مِنۡ اَکَابِرَ الدِّیَارِ اَنَّ فِیۡ هٰذِهِ الۡبُقۡعَةِ الۡمُبَارَکَةِ الۡمَشۡهُوۡرَةِ بِقُبَّةِ الۡاِسۡلَامِ .اَلۡمُسَمَّاهِ بِبَلۡدَةِ بَدَاؤں قَد اِسۡتَرَاحَ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡعِرۡفَانِ لَایُحۡصٰی عَدَدُهُمۡ فَمَنۡ عَدَّ هُمۡ فَعَلٰی مَبۡلَغَ عِلۡمِهٖ وَالۡاَکۡثَرُ مِنۡهُمۡ وَاحِدُ الۡاِسۡمِه وَاللَّقَبِ فَتَمَیَّزُوۡا بَیۡنَهُمۡ بِالنِّسۡبَةِ (فَالسُّلۡطَانُ اِثۡنَانِ) اَحَدُهُمۡ وَاَعۡظَمُهٗ دَرَجَةً وَمَنۡصَبَةً مِنۡ حَضۡرَتِ التَّقۡرِیۡبِ سُلۡطَانُ الۡعَارِفِیۡنِ وَیُقَالُ لَهٗ سُلۡطَانۡجِیۡ فَهُوَ الشَّهِیۡدُ الۡفَخِیۡم شَیۡخ شَاهی خواجه

اَلسَّیِّد حسَن بن اَلسَّیِّد اَعَزالدِّیْنِ اَحمَدالسُّھرُوَرْدِیْ
موئے تاب شاہ روشن ضمیر قُدِّسَ اللّٰہ سِرُّہٗ مَرَاتِبَہٗ عَلِیَّۃٌ
لاَ یَعْشِرُ عَلَیْھَا صَنَادِیْدُ الْعَارِفِیْنَ وَلاَ یُحِیْطُ بِھَااَسَالِیْبُ
الْوَاصِفِیْنَ لَوْ زَبَرتَھَا السِّنَۃُ الْاَقْلاَم لَقَصرُتْ وَلَوْنَمقْتَھَا
اَغِلَّۃُ الْاَنَام لاَعَیَتْ مَرْقَدُہٗ مَشْھُوْرٌ فِیْ الْاٰفَاق وَرَاءِ نَھرِ سوت
وَصَاحِبُ الْوَلاَیَۃِ ثَلٰثَۃٌ مَرَّۃَ بَعْدَ اُخرٰی فَالتَّصَرُّفُ
اَلاٰن بِیَدِ الْاَخِیرَ فَھُوَ یَتَصَرَّفُ حَیْثُ یَشَآء اَحدُھُمْ وَاَسْبَقُھُمْ
مولاناالحَاج اَلشَّیْخ سراج الدین اَلتِّرمذی جَامِعُ الکَمالاتِ
الصُّوْرِیَّۃِ وَالْمَعْنَوِیَّۃِ قَدَّسَ اللّٰہ سِرَّہٗ فِیْ سِوَادِ بَدَاوَن جَانِبَ
الْغَرْبِ دُوْنَ عیدگاہ شمسی فی حریم السُّھْرُوَرْدِ مَشھورٌ
وَالثَّانِیُ اَلشَّیخُ السُّلطان شیر چشتی وَقَد مَرَّذِکُرُہٗ
وَالثَّالِثُ اَلشَّیْخُ الْجَلِیْل خواجہ اَلسَّیِّد ابوبکر اَلْمُلَقَّب
بہ بدر الدین بِنُ السَّیِّد اَعَزُّالدین احمد اَلسُّھروردی
موئے تاب وَلِذَالِکَ یُقَالُ لَہٗ ثَالِثُ بِالخَیْروَھُوَجَامِعُ الْفَضَائِلُ
اَلسُّھرورِدِیَّہ وَالچِشتِیَّہ ومَنبَعُ الْمَعَارِفِ وَالْحَقَائِق
وَمَرجِعُ الْخَلاَئِقِ فِی الْحِلِّ وَالقَعْدِ یَصْدُرُ اَحْکَامُ
الدِّیَار مِنْ حَضْرَتِہٖ الْاٰنَ کَمَا کَانَ لِاَنَّہٗ مِنْ مَقْبُوْلِ الْغَوْثِ

اَلْاَعْظَمِ اَلسَّیِّد مُحیِ الدِّیْنِ اَبِیْ مُحَمَّد عَبْدُ الْقَادِرِ اَلْحَنْبَلِیْ اَلْجِیْلاَنِی قَدَّسَ اللّٰہَ سِرَّھُمَا مَرْقَدُہٗ فِیْ حَرِیْمِ السُّھْرَوَرْدِیَّہ مَشْھُوْرٌ عِنْدَ قَبْرِصَاحِبِ الْوَلَایَۃِ الْاَوَّلِ الشَّیْخ اَلْمَوْلَانَا سِرَاجِ الدِّین اَلتِّرمذِی جَانِبِ الشَّرْقِ مَائِلاً اِلَی الشِّمَال ـ

ترجمہ: اقتباس کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصفا:

مصنف کتاب ہٰذا نے اکابر شہر سے سنا ہے کہ اس مقام مبارک میں کہ قبۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہے اور اسے شہر بدایوں کہتے ہیں۔ بہت سے اہل عرفان آرام فرما ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور جس نے بھی ان کا شمار کیا ہے اپنے مبلغ علم کے مطابق کیا ہے۔ان بزرگوں میں سے اکثر ایک ہی نام اور لقب کے ہیں۔پس ان کے درمیان نسبت سے امتیاز کرو۔پس سلطان دو ہیں۔اُن میں سے ایک اور ان سب سے بڑے باعتبار قرب ذات درجے اور منصب میں سلطان العارفین ہیں اور ان کو سلطانجی کہا جاتا ہے اور وہ شہید بزرگ شیخ شاہی خواجہ سیّد حسن بن سیّد اعز الدین احمد سہروردی موئے تاب شاہِ روشن ضمیر قدّس اللہ سرّہ ہیں اور آپ ایسے مراتب عالیہ والے ہیں کہ بڑے عارفین بھی ان پر مطلع نہیں ہیں اور واصلین کے اسلوب بیان بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔زبانیں اور قلم ان کے بیان سے عاجز رہ جائیں

اور مخلوق کی انگلیاں ان کا شمار کرتے کرتے تھک جائیں۔ آپ کی مرقد مبارک آفاق میں مشہور ہے اور سوتہ ندی کے اُس پار ہے۔

اور صاحب الولایت تین ہیں یکے بعد دیگرے اور اس وقت تصرّف آخری صاحب ولایت کے ہاتھ میں ہے جس طرح وہ چاہیں۔ ان میں سے ایک اور سب سے پہلے مولانا الحاج شیخ سراج الدین ترمذی ہیں۔ آپ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں قدّس اللہ سرُّہ۔ آپ کی مرقد شہر بدایوں میں ہے جانب غرب عید گاہ شمسی کے پیچھے مشہور سہروردی احاطے میں ہے (املی کے پاس)۔ دوسرے شاہ ولایت سلطان شیر چشتی ہیں اوران کا ذکر گزر چکا (ان کا مزار قلعۂ قدیم کے دمدمہ کی بلندی پر چاہ بھنڈار کے نزدیک چکر کی سڑک سے متصل جانبِ غرب محلّہ سوتہ میں ہے۔ یہ جگہ میری نانی کی ملکیت تھی۔ غالباً ۶۔۷ رمضان عرس کی فاتحہ کی تاریخ ہے)۔ تیسرے شاہ ولایت شیخ الجلیل خواجہ سیّد ابو بکر ملقّب بدرالدین بن سیّد اعزالدین احمد سہروردی موئے تاب اور اسی لئے ان کو شاہ ولایت ثالث خیر وخوبی والے کہا جاتا ہے کہ وہ فضائل سہروردیہ اور چشتیہ کے جامع تھے۔ حقائق ومعارف کا منبع تھے اور معاملات کے حل وعقد میں مرجعِ خلائق تھے۔ شہری احکام آپ کی بارگاہ سے صادر ہوتے تھے

اوراب بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے پہلے ہوتے تھے اس لئے کہ وہ غوث الاعظم سید محی الدین ابو محمد شیخ عبدالقادر حنبلی جیلانی قدس اللہ سرہٗ ہما کے مقبول نظر ہیں۔ آپ کی مرقد مبارک سہرورد کی مشہور چاردیواری میں ہے۔ پہلے صاحب ولایت شیخ مولانا سراج الدین ترمذی قدس سرہ کی قبر شریف کے پاس جانب شرق مائل بشمال۔

حُلیہ مبارک
حضرت سلطان العارفین صاحب

حضرت سلطان العارفین صاحب کی شکل وشباہت، قد وقامت، لباس اور وضع قطع سے متعلق کسی قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ اس ضمن میں صرف چہرے کے رنگ اور عمر کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا وہ مستند بیان ہے جو آپ کے مجموعۂ ملفوظات فوائد الفواد میں ملتا ہے۔ مزید براں ہمیں ذاتی طور پر حضرت سلطان العارفین صاحب کی شکل وشباہت، قد وقامت اور لباس وغیرہ سے متعلق تین حوالوں سے قابل اعتبار معلومات حاصل ہوئیں ہیں۔

ایک مولانا مفتی محمد ابراہیم سمستی پوری ثم بدایونی کا وہ نوشتہ جو تحریری بیان کی حیثیت رکھتا ہے۔ موصوف نے راقم کی خواہش پر تفصیل لکھ کر راقم حروف کو عنایت فرمائی کہ جو حلیہ مبارک کے سلسلے میں آگے نقل ہے۔

دوسرا بیان میرے چھوٹے بھائی عزیزی محمد افتخار علی مسعود کا ہے جسے تقریباً ساٹھ سال پہلے خواب میں حضرت سلطان العارفین صاحب کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ اس خواب کے مطابق حضرت سلطان العارفین کا قد اچھا میانہ یعنی زیادہ لمبا نہیں، چہرے کا رنگ گہرا سانولا یعنی گورا نہیں، داڑھی یک مُشت تقریباً زیادہ سیاہ کچھ بال کہیں کہیں سفید، کرتہ گھٹنوں تک، پاجامہ

چھوٹے پائنچے کا جیسے علی گڈھ کاٹ کا ہوتا ہے یعنی پائنچے زیادہ چوڑے نہیں، کرتہ اور پاجامہ دونوں سفید موٹے کپڑے کے گاڑھے کے سے معلوم ہوتے تھے اور عمر زیادہ سے زیادہ بیالیس چوالیس سال کی معلوم ہوتی تھی۔

نقل نوشتۂ مولوی محمد ابراہیم صاحب سمستی پوری ثم بدایونی شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم بدایوں

محلّہ کمنگراں بدایوں۔ یوپی۔ بھارت

عزیز محترم زاداللہ عرفانکم۔ السلام علیکم ورحمۃ

۴۵ سال کے قریب کا عرصہ ہوا کہ احقر سلوک کی تربیّت حاصل کر رہا تھا اور اذکارِ خفی وجلی میں مشغول تھا کہ ایک رات کے اخیر حصہ میں دیکھا کہ حضرت خواجہ بزرگ اجمیری علیہ الرحمۃ کا مزار خام ہے اور مزار کے قلب کی جانب سے نسبت خاکسار کی طرف متوجہ ہے اور قلب پر فیض پہنچ رہا ہے۔ اس تیزی سے وہ متوجہ ہوا کہ یہ معلوم ہوا کہ خاک نشیں کا قلب پھٹ جائے گا۔ اس بیتابی میں زبان سے یہ فقرہ نکلا ''حضرت بس'' اس کے بعد کشفِ قبور کا شوق وفور میں آیا۔

بدایوں شریف کے چند اکابر کے مزار پر حاضر ہو کر ذکر خفی یا جلی کرنے کے بعد ہمہ تن و گوش مزار کی طرف متوجہ ہوتا رہا۔ کسی مزار پر کشود کار ہوا اور کسی پر حرماں نصیب ہوا۔ اس کشفِ قبور کے سلسلے میں کئی بار میرا اور مولانا یعقوب بخش راغب مرحوم کا ساتھ ہوا۔ حضرت سلطانجی رحمۃ اللہ علیہ

کی زیارت کا شوق کشفِ قبور سے حصول کا اشتیاق پیدا ہوا۔ یوں میں نے کئی بار اس ارادے سے مزارِ اقدس پر حاضری دی لیکن زائرین کی آمد و رفت کے سبب موقع ہاتھ نہیں آیا۔ ایک رات بہ نیّت اعتکاف مسجد میں ٹھہرا۔ اخیر شب میں جبکہ بالکل تخلیہ تھا ذکرِ خفی کے بعد مزار کی جانب متوجہ ہوا۔ دیکھا کہ حضرت سلطان العارفین قدّس سرّہ چار زانو بیٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں میچے ہوئے۔ نہ معلوم ہوسکا کہ مراقبہ میں ہیں یا ذکرِ خفی میں مشغول ہیں۔ رُخ اُتّر کی طرف ہے۔ چہرہ پاک کا رنگ گندمی ہے۔ قامت و چہرہ مولانا حاجی شاہ ایثار علی صاحب قادری چشتی کے مشابہ ہے۔ عبا نما کرتہ زیب تن ہے جس کا رنگ ہلکا ملاگیری ہے۔

ایک جمعرات کو بعد عصر نماز پڑھ کر مدرسہ شمس العلوم بدایوں آ رہا تھا کہ لال پل پر حضرت مولانا ایثار علی صاحب قدس سرہ سے ملاقات ہوگئی۔ باتیں کرتا ہوا فقیر سرائے کی سڑک پر آیا تو خاک نشیں نے عرض کیا کہ کبھی آپ کو حضرت سلطانجی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی فرمایا ''ہاں'' میری داڑھی حضرت کے داڑھی کے مشابہ ہے اور قد بھی برابر ہے۔

فقط والسلام خیر ختام

دستخط محمد ابراہیم فریدی غفرلہٗ۔

دوشنبہ ۵ جولائی ۱۹۸۲ء

تیسرا بیان سیّدہ منوّر جہاں اہلیہ نورالحسن صدیقی بدایونی کا ہے جو ایک نیک اور ذمہ دار خاتون ہیں اور ہمیشہ سچ بولتی ہیں۔ انہوں نے اب سے پانچ چھ ماہ قبل اذانِ فجر کے قریب ایک خواب دیکھا جس کے مطابق راقم کے سامنے گاؤ تکیے کے اوپر مذاق میاں صاحبؒ کی کتابیں رکھی ہیں۔ ان میں سے مذاق میاں نے ایک کتاب کھول کر راقم کو پڑھنے کے لئے دی۔ انہوں نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ حضرت سلطان العارفین صاحب راقم الحروف کے داہنی جانب تشریف فرما ہیں اور حلیہ مبارک جیسا دیکھا وہ کچھ اس طرح تھا کہ جسم صحت مند ہے، چہرہ بھرا ہوا، خمار آلود اور پُر کشش آنکھیں جیسے ہیرے کٹے ہوئے، رنگ ذرا گہرا سانولا، داڑھی سیاہ ایک مٹھی اکّا دکّا بال سفید، مناسب بڑے ہاتھ، بنڈی یا صدری پہنے جیسے واسکٹ رنگ گیروا، کرتہ پاجامہ سفید، ٹوپی گول سفید اور عمر پینتیس سے پینتالیس سال کے درمیان معلوم ہوتی تھی۔

شجرہ بیعت وطریقت سہروردیہ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب

نمبرشمار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات ومقام مزار
۱۔	جناب سرورِکائنات محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	۱۲ربیع الاوّل ۱۱ھ بروز دوشنبہ۔ مدینہ منوّرہ
۲۔	حضرت امیرالمومنین سیّدنا علیؓ ابن ابی طالب	۲۰ رمضان ۴۰ھ نجف اشرف۔ عراق
۳۔	حضرت خواجہ حسن بصریؒ	یکم رجب ۱۱۰ھ بصرہ۔عراق
۴۔	حضرت خواجہ حبیب عجمیؒ	۳ربیع الاول ۱۵۶ھ
۵۔	حضرت خواجہ داؤد طائیؒ	۲۸ربیع الاول ۱۶۵ھ بغداد۔عراق
۶۔	حضرت خواجہ معروف کرخیؒ	۲محرم الحرام ۲۰۰ھ بغداد۔عراق
۷۔	حضرت خواجہ سری سقطیؒ	شنبہ ۳رمضان ۲۵۳ھ بغداد۔عراق
۸۔	حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ	شنبہ ۲۷رجب ۲۹۸ھ بغداد۔عراق
۹۔	حضرت خواجہ شیخ ابوبکر شبلیؒ	شبِ جمعہ ۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ بغداد عراق
۱۰۔	حضرت خواجہ مُمشاد علُو دِینوَریؒ	چہارشنبہ ۱۴محرم ۲۹۹ھ عکّہ فلسطین شام

۱۱۔ حضرت خواجہ ابی احمد اسود دینوَری ؒ	جمعہ ۲۷ ذی الحجہ ۳۶۳ھ سمرقندی ادینوَر۔عراق
۱۲۔ حضرت شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عمّویہؒ	پنجشنبہ ۱۹ ذیقعدہ ۴۵۰ھ دمشق یا شیراز (ایران)
۱۳۔ حضرت شیخ وجیہ الدین ابوحفص عمر سہروردیؒ	سہ شنبہ ۲۷ شعبان ۵۶۶ھ سہرورد عراق
۱۴۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنّجیب عبدالقاہر سہروردیؒ	پنجشنبہ ۱۲ جمادی الثانی ۵۶۷ھ بغداد۔عراق
۱۵۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردیؒ	یکم محرم ۶۳۲ھ بغداد۔عراق
۱۶۔ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ	۹ رمضان المبارک ۶۴۵ھ اندرون درگاہ خواجہ قطب صاحب مہرولی شریف۔دہلی
۱۷۔ حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر یمنی بدایونیؒ	جمعۃ الوداع ۲۴ رمضان ۶۲۸ھ بدایوں۔یوپی۔انڈیا

مراسم عرس سلطانجی صاحب

خدّام کے خاندان میں ہر دو سرکاروں کے مزارات کی نظامت وتولیت خدام درگاہ کے اجداد واسلاف کے زمانے سے پشت در پشت چلی آتی ہے۔ یہی حضرات حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزار کی خدمت اور عرس کرتے چلے آئے ہیں۔

غالباً ۱۹۳۳ء سے تحصیلدار نصیر الحسن کے زمانے سے عرس کا سلسلہ تین دن تک رہتا ہے۔ ۲۳ رمضان سے ۲۵ رمضان تک۔ پہلے صرف ۲۴ رمضان کو عرس ہوتا تھا۔ اب بھی ۲۴ رمضان کو عرس کی خاص تاریخ ہوتی ہے کہ جو حضرت سلطان جی صاحب کی وفات کا دن ہے۔ چنانچہ عرس کے معمولات رسم قدیم کے مطابق اسی تاریخ کو انجام پاتے ہیں۔ ۲۴ رمضان کو صبح کے وقت تلاوت قرآن۔ سہ پہر کو نعت خوانی اور میلاد شریف اور شام سے قوالی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اُسی دن رات کو بعد عشاء مزار کا غسل ہوتا ہے اور فاتحہ قل حجرے کے اندر ہوتی ہے۔ اس وقت مٹی کے نئے گیارہ گھڑے اور گیارہ نئے مٹی کے لوٹے پانی سے بھر کر اور ایک گھڑا شربت کا اور ایک گٹھری شکر پاروں کی سامنے رکھ کر فاتحہ دی جاتی ہے۔ فاتحہ کے بعد حجرے کے اندر موجود لوگوں میں تبرّک تقسیم کیا جاتا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں عرس کے موقع پر میں حجرے کے اندر فاتحہ کے وقت حاضر تھا اور مجھے بھی تبرّک کے ساتھ ایک لوٹا ملا تھا جو اب تک میرے پاس موجود و محفوظ ہے۔

قل کی فاتحہ میں شاہی متولیٔ صاحبان میں سے کوئی فرد ضرور موجود ہوتا ہے۔شاہی متولّی سے شیخ محمد کرم اللہ کی اولاد مراد ہے جو بادشاہ وقت کی طرف سے مزارات کی جائداد کے متولی قرار دیے گئے تھے۔اُن کے بعد مولانا درویش محمد متولّی ہوئے اور خدام ہر دو درگاہ کو قبالۂ سلطانی بتوسط آدم بندگی متولّی حاصل ہوا۔اُس وقت سے بدایوں میں ایک خاندان متولّیوں کے نام سے چلا آتا ہے۔

اپنے اپنے زمانے میں حکیم حاجی حافظ مجاہد الدین ذاکؔر اور شاہ طفیل احمد متولّی قل کا فاتحہ کیا کرتے تھے۔اُن کے بعد حکیم کفیل الدین عالؔی، مولوی مہیمن الدین اور مولوی سلمان احمد ہلالؔی کو قل کا فاتحہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔

۲۵ رمضان کی صبح کو نماز اشراق کے بعد حجرے کے سامنے مزار مبارک کے سرہانے کی طرف تقاریر ہوتی ہیں پھر ختم فاتحہ قل کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔۱۹۸۲ء میں اس موقع پر محترم مولانا خواجہ غلام نظام الدین صاحب قادری کے فرمانے پر راقم نے تقریر کی اور فاتحہ قل بھی پڑھی اور حضرت سلطان جی صاحب کی مناقب کے اشعار پڑھے۔۲۵ رمضان کا دن گزر جانے کے بعد رات کو یعنی ۲۶ رمضان المبارک کی شب میں قریب صبح حضرت سلطان العارفین صاحب کے والدین کے قل کی فاتحہ ہوتی ہے۔

عرس کی خاص تاریخ کو سلطانجی صاحب کے بن میں ہزار ہا زائرین ہوتے ہیں اور عرس میلے کی طرح معلوم ہوتا ہے۔سب افسران ضلع عرس میں

شرکت کرتے ہیں اوران کے کیمپ لگتے ہیں۔اسی روز یعنی ۲۴ رمضان المبارک اور ۲۵ رمضان المبارک کی درمیانی رات میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور تمام افسران اورعمائدین شہر کی موجودگی میں بڑے پیمانے پر محفل سماع ہوتی ہے۔

۲۴ رمضان المبارک کو خاص عرس کے روز کہ یہی حضرت سلطان العارفین صاحب کے وصال کی تاریخ ہے اہل شہر اور باہر سے آنے والے زائرین افطاریوں کا بڑے پیمانے پر اہتمام کرتے ہیں اور سلطانجی صاحب کے بن میں آس پاس جس کو جہاں جگہ ملتی ہے دستر خوان لگا کر روزہ افطار کرتے ہیں۔یہ بھی ایک عجیب دلکش منظر ہوتا ہے۔

روزانہ حاضری کا خاص وقت

حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار مبارک پر روزانہ حاضری کا خاص وقت نماز عصر کے بعد سے تا عشاء ہوتا ہے۔

پسندیدہ نذر

۳۱۳ دفعہ دورد شریف پڑھ کر حضرت سلطان العارفین کو ہدیہ ایصال ثواب کیا جائے۔یہی نذر آپ کی نہایت پسندیدہ ہے۔

اقوال

حضرت سلطان العارفین صاحب سے منسوب مندرجہء ذیل اقوال ''حیات شیخ شاہی'' مصنفہ مولوی محمد ابرار حسین قادری ایم۔اے مطبوعہ نظامی پریس بدایوں اور ''آفتاب ولایت'' مصنفہ مولوی حفظ الرحمٰن عارف بریلوی مطبوعہ بریلی الیکٹرک پریس بریلی سے اخذ کئے گئے ہیں۔

۱۔ اعمال میں بہترین عمل وہ ہے جو بزرگان سلف نے کیا ہے اور بہترین علم وہ ہے جو انہوں نے فرمایا ہے۔ جو عمل بزرگوں نے نہیں کئے وہ مت کرو، جو نہیں بیان فرمایا وہ نہ بیان کرو۔

۲۔ کامل عقل وہ ہے جو موافق توفیق کے ہو اور بدترین طاعت وہ ہے جس سے غرور پندار ہو۔ اس سے بہتر وہ گناہ ہے جس کے بعد توبہ کی توفیق میّسر ہو۔

۳۔ محبت حقیقی حق تعالےٰ کی عنایت و بخشش ہے۔

۴۔ جس چیز کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس پر پورا عمل کرنا ادب ہے۔

۵۔ جو آدمی مخلوق خدا کے ساتھ خوش خُلقی سے پیش آتا ہے اس کو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

۶۔ جب کوئی محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو محبت سے دور ہو جاتا ہے۔

۷۔ایک مرتبہ کسی شخص نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔آپ نے دریافت فرمایا کہ گوشہ میں بیٹھ کر کس سے ملنا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا ظاہر میں خلق کے ساتھ رہو باطن میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ۔

۸۔جس کی توبہ عمل سے درست ہے وہی مقبول ہے۔

۹۔فرمایا، اسباب ظاہری پر بھروسہ کرنے سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

تعمیرِ زیارت
حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر
سلطان العارفین سلطانجی صاحب
اور مختلف زمانوں میں
زیارت سے متعلق دوسری تعمیرات وغیرہ

کنز التّاریخ مصنّفہ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء مطبوعہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء کے مصنّف خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری (وفات ۱۹ رمضان ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء بعمر ۷۹ سال) نے بدایوں کے آثار قدیمہ کے سلسلے میں حضرت سلطان العارفین صاحب کی زیارت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "یہ زیارت نہایت قدیم زمانہ کی ہے۔ اس عمارت کی وقتاً فوقتاً تعمیر ہوتی رہتی ہے۔ ایک عمدہ مسجد اندر حریم زیارت کے گنبد کی بنی ہوئی ہے۔ دروازہ پر بھی گنبد ہے اور اندرون حریم کے جانب شمال مزار ایک حجرہ واسطے اعتکاف وچلّہ نشینی کے ڈاٹ دار گنبد کا بنا ہوا ہے۔ ایک پتھر سابق میں حریم کی دیوار میں لگا تھا جو ناصر الدین محمود (پسر خورد سلطان شمس الدین التمش) کے زمانہ کا تھا۔ اب وہ پتھر نہیں ہے۔ بہت سے کتبے بدایوں سے آثار قدیمہ میں اُٹھ گئے۔ شاید وہ بھی چلا گیا۔" مسجد مذکورہ جانب غرب مزار جناب کنور وزیر علی خاں رئیس چھتاری ضلع بلند شہر ڈپٹی کلکٹر

بدایوں نے حریم کے اندر واقع قدیم قناتی مسجد کو ترمیم کے ساتھ تعمیر کرایا تھا۔
اس مسجد میں تین در تھے۔ درمیانی در پہ یہ کتبہ نصب تھا۔

درموقفِ مقدسِ سلطان العارفین　　ازصدقِ دل وزیر علی خانِ باصفا
مسجد بِنا نمودہ بتاریخِ آں وزیر　　مُلہم زِغیب شد کہ بگو۔ خانۂ خدا
۱۲۶۱ھ

کنز التاریخ کے مصنف نے جس تاریخی کتبہ کی بابت یہ لکھا ہے کہ پہلے حریم کی دیوار میں لگا تھا اور اب وہ پتھر نہیں ہے' اس کے حوالے سے یہ بات قطعاً واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سلطان العارفین صاحب کی زیارت آپ کی وفات ۶۲۸ھ مطابق ۱۲۳۱ء کے زیادہ سے زیادہ ۲۰۔۲۵ سال بعد سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ حکومت ۱۴ محرم ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ء تا ۱۱ جمادی الاوّل ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۶ء کے دوران میں تعمیر ہوئی۔ سلطان ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کی اولاد میں پانچواں اور سب سے چھوٹا بیٹا اور آخری بادشاہ تھا۔ نہایت نیک نفس، فقیر طبع اور خوش عقیدہ انسان تھا۔ الغرض زیارت میں تعمیرات قدیم کے آثار سوائے مسجد کے اب تک حسب سابق قائم ہیں۔

تفصیل تعمیرات قدیم وجدید حسب ذیل ہے:۔

۱۔ حدود اربعہ حریم　　جدید تعمیراتی اضافوں کے باوجود حریم کا اندرونی رقبہ حسب سابق ہے۔ البتہ نئی مسجد اور بعض دیگر ترمیمات کی بناء پر شمال و مغرب کی جانب پرانی حدیں متاثر ہوئی ہیں۔

۲۔گنبد حجرۂ اعتکاف — تعمیر قدیم۔اندورن حریم جانب شمال مزار حضرت سلطان العارفین صاحب

۳۔گنبد صدر دروازہ — تعمیر قدیم۔حریم کے مشرق وجنوب کی سمت میں۔

۴۔پختہ چاہ زمزمی — تعمیر قدیم۔بیرون حریم گوشۂ جنوب ومشرق میں متصل گنبد صدر دروزاہ

۵۔مسجد قدیم — حریم کے اندر جانب غرب واقع قدیم قناتی مسجد کی جگہ پر ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے غدر سے تقریباً ۱۲ سال قبل ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں جناب کنور وزیر علی خاں رئیس چھتاری ضلع بلند شہر ڈپٹی کلکٹر بدایوں نے باقاعدہ گنبددار مسجد تعمیر کرائی جس کے وسطی در پر قطعۂ تاریخ تعمیر کندہ تھا۔

قناتی مسجد اسے کہتے ہیں جس میں دیواریں اور چھت وغیرہ کچھ نہیں ہوتیں۔صرف سمت قبلہ معلوم ہونے کے لئے کسی چبوترہ پر کعبہ کی طرف درمیان میں ایک محراب بنادی گئی ہو۔۱۲۶۱ھ میں قناتی مسجد کی جگہ پر جو مسجد باقاعدہ تعمیر ہوئی تھی اس کے تقریباً سوا سو برس بعد ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں پرانی مسجد کو شہید کرکے اور مغرب کی طرف پرانی حد سے آگے بڑھا کر نئی مسجد زیادہ وسیع کی گئی۔اس نئی مسجد کے پانچ در ہیں۔غالباً لاپرواہی اور غفلت کی بناء پر

پرانے کتبہ کا پتھر محفوظ نہیں رکھا۔ نئے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مسجد کا سنگِ بنیاد ندّو خاں بریلوی نے ۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۳ھ کو رکھا تھا۔ مسجد قدیم کا زیادہ رقبہ اب صحن درگاہ میں شامل ہے۔ نئی تعمیر سے متعلق شعر وغیرہ بھی تحریر کئے گئے ہیں جن میں سے تعمیر نو کا سال ہجری اس مصرعے سے برآمد ہوتا ہے۔ ع آؤ پئے سجود ہے یہ خانۂ خدا۔
۱۳ ھ ۸۳

غالباً اسی زمانے کے لگ بھگ حجرۂ چلّہ نشینی کے مغرب میں مسافر خانہ، اُس کے مغرب میں پانی کی ٹنکی اور نل وغیرہ، حمام، وضوخانہ اور حجرۂ امام مسجد کی تعمیر ہوئی اور بجلی وغیرہ کا مستقل بندوبست کیا گیا۔

۶۔ مزارات کا نمونۂ قدیم

مزارات کی بنیادی ساخت حسب قدیم ہے۔ فرش زمین سے تقریباً ۱۶ انچ بلند اور ۱۰-۱۱ فٹ وسیع چبوترہ پر وسط میں دو مزار ملے ہوئے بنے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک ہی مزار ہو۔ اس میں مغرب کی طرف حضرت سلطان العارفین صاحب کا مزار ہے۔ مشرقی پہلو میں آپ کے منجھلے بھائی حضرت خواجہ عثمان کا مزار ہے اور یہی صحیح ہے۔ ورنہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ مشرق میں حضرت سلطان العارفین صاحب اور مغرب کی سمت خواجہ عثمان کا مزار ہے۔ مزارات کے چبوترہ کے گوشۂ

شمال ومغرب سے ملحق چھوٹا سا مزار آپ کے بھانجے سیّد منوّر میاں کا ہے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار والے چبوترہ کے گوشۂ جنوب ومغرب سے ملحق آپ کے **والدین** کے مزارات اسی طرح کے ایک چبوترہ پر بنے ہوئے ہیں۔ ان سب یعنی چاروں مزارات کے نشان اور چبوترے پیمائشی لحاظ سے یکساں نظر آتے ہیں۔ اندازہ سے مزار لمبائی میں شمالاً جنوباً تقریباً ۵-۶ فٹ اور چوڑائی میں شرقاً غرباً تقریباً ۳-۴ فٹ اور اونچائی میں کم وبیش ۲ فٹ دکھائی دیتے ہیں۔ تعویذ پختہ نمونۂ قدیم ہی کے ہیں البتہ اب موزائک کر دیا گیا ہے۔ پہلے وقتاً فوقتاً سفید چونے کی قلعی ہوتی رہتی تھی۔ جدید اضافوں کے باوجود کوئی گنبد یا مقبرہ وغیرہ نہیں بنایا گیا۔ حسب اجازت اضافی تعمیر ہوئی ہے۔ پہلے ان مزاروں پر غلاف یا چادریں وغیرہ جمعرات کے روز یا سالانہ عرس کے دنوں میں چڑھائی جاتی تھیں ورنہ ہمیشہ مزارات کھلے رہتے تھے۔ **بدایوں** میں مدفون اکثر بزرگانِ دین کے مزارات پر چھتیں یا مقبرے اور گنبد وغیرہ بنانے کا دستور

نہ تھا۔ حضرت سلطان العارفین صاحب، حضرت شاہ ولایت صاحب، حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزاروں کے نمونوں میں توڑ پھوڑ کر کے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے اور زائرین مرد و عورت سب ہمیشہ کی طرح نزدیک سے زیارت کرتے ہیں۔

۷۔ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں جناب محمد فضل علی صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایوں نے سوت ندی کے پل سے حضرت سلطان العارفین صاحب کے آستانے تک سابق خام اور ناہموار راستے پر ایک پختہ سڑک بنوائی جس سے زائرین کو مزار مبارک تک آمد و رفت کی سہولت ہوئی۔ ڈپٹی صاحب بزرگانِ دین سے ازحد عقیدت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس سڑک کی تعمیر کے زیادہ مصارف انہوں نے اپنے پاس سے اٹھائے اور کچھ چندہ کر کے پورے کئے۔ چند سال قبل یہ سڑک کولتار کی بن گئی ہے۔

۸۔ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں خان بہادر نواب عبدالغفار فریدی فاروقی رئیس اعظم شیخوپور بدایوں نے حضرت سلطان العارفین صاحب کی زیارت کے جوار میں مشرق کی جانب شہر سے زیارت تک آنے والی سڑک کے اختتام پر باہتمام مولوی قاسم علی وکیل ایک بلند و عالیشان محرابی دروازہ تعمیر کرایا۔ لوح محراب پر یہ مادۂ تاریخ تعمیر تحریر تھا ؎ باب الابواب دہلیز شیخ شاہی۔

۱۳ ۵ ۳۰

۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں سیلاب سے شکستگی کے بعد اسی دروازہ کو نواب بلسی ضلع بدایوں جناب دولہا صاحب نے از سر نو درست کرایا۔ ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں پھر سیلاب کی وجہ سے شکستہ ہو جانے کے ۱۰ سال بعد ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں منشی عبدالعزیز انصاری مختار ساکن محلّہ شہباز پور بدایوں نے اپنے بیٹے کے صحت یاب ہونے پر اس دروازے کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔

۹۔ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں مولوی احمد حسین تحصیلدار بدایوں ساکن ضلع الٰہ آباد نے زائرین کے قیام کے لئے پانچ پختہ حجرے برآمدہ کے ساتھ نواب عبدالغفار صاحب والے محرابی دروازے کے جنوب میں اہل شہر سے چندہ کے علاوہ مولوی ظہور حسن ٹونک والا رئیس بدایوں کی خصوصی اعانت سے تعمیر کرائے۔

۱۰۔ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں ڈاکٹر عطا علی صاحب قادری ساکن محلّہ شیخ پٹی بدایوں نے اندرونِ حریم قدیمی حجرۂ اعتکاف کے مشرق میں پردہ نشین خواتین کے لئے چار دیواری تعمیر کرائی۔

۱۱۔ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۴۔۱۹۳۳ء میں شیخ علی جان فریدی فاروقی رئیس شیخوپور بدایوں نے بیرون حریم گوشۂ شمال و مشرق سے ملحق شرق رویہ دالان اور اس کے آگے اینٹوں کا پختہ فرش بنوایا۔

۱۲۔ ۱۳۵۲ھ مطابق ۳۴۔۱۹۳۳ء میں سیّد علی جان صاحب رئیس بدایوں ساکن محلّہ سوتہ سادات نے زائرین کے لئے زیارت سے تھوڑے فاصلے پر

جانب شمال بیرون درگاہ بن میں پختہ بیت الخلاء تعمیر کرائے۔

۱۳۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں بمبئی کے ایک نامور تاجر سیٹھ محمد دائم نے تحصیلدار بدایوں کے توسط سے بیرونِ حریم ملحق بجانب مشرق پرانے خام چبوترہ کو وسیع وعریض کر کے از سرِ نو پختہ کرایا۔

۱۴۔ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں سیّد احمد حسن صاحب نائب تحصیلدار بدایوں ساکن نہٹور ضلع بجنور نے مخیّر حضرات کے تعاون سے زائرین کے قیام کے لئے بیرونی چبوترہ کے شمال کی جانب چھ پختہ حجرے تعمیر کرائے اور ہر حجرہ پر اس کے تعمیر کرانے والے کے نام کا پتھر نصب کرا دیا۔

۱۵۔ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار مبارک پر چھ ستونوں پر قائم لنٹر کی چھت ڈال کر بارہ دری کے نمونے کی جدید تعمیر ندّو خان بریلوی نے کرائی۔ پہلے مزار کھلا ہوا تھا۔ یہ تعمیر اندازاً طول وعرض میں ۲۳-۲۴ فٹ وسیع رقبہ پر محیط ہے۔ اب بھی مقبرہ یا گنبد نہیں بنایا گیا۔ درمیان میں مزید دو ستونوں کو شمالاً جنوباً بیم ڈال کر بنایا ہے جس سے یہ عمارت دو مساوی حصوں میں تقسیم ہے۔ اس عمارت کے شمال وجنوب میں چھ چھ در ہیں اور مشرق ومغرب کی جانب پانچ پانچ در بنے ہیں۔ اس پورے احاطے کے اندر پانچ قبریں ہیں اس طرح کہ شمالی ومشرقی حصے میں حضرت سلطان العارفین صاحب اور ان کے منجھلے بھائی حضرت خواجہ عثمان کے مزارات پہلو بہ پہلو ملے ہوئے

بنے ہیں جو ۱۰-۱۱ فٹ طویل وعریض چبوترہ پر ہیں جس کی اونچائی فرش درگاہ سے چھ انچ کے قریب ہوگی۔ قبروں کے پرانے تعویذ مثل سابق کے برقرار ہیں البتہ قبروں پر موزائک کا کام کردیا گیا ہے اور چبوترہ کے اردگرد خوشنما جنگلہ لگادیا گیا ہے۔ پہلے یہ صورت نہیں تھی۔ سلطان العارفین صاحب، ان کے والدین اور بھانجے کے مزارات اسی نئی بارہ دری کے اندر ہیں۔ احاطۂ مذکور کے اندر گوشۂ شمال ومغرب اور جنوب ومشرق میں خالی جگہ مذکورہ چبوتروں کے آس پاس ہے۔ علاوہ ازیں حریم کی جنوبی دیوار کے نزدیک سلطان العارفین صاحب کی پائین کی سیدھ میں دو قوّالوں عبدالرحیم اور عبدالکریم کی پختہ قبریں پہلو بہ پہلو ہیں جنہیں خواجہ قطب صاحب نے شیخ شاہی کے بدایوں جاتے وقت ساتھ کردیا تھا۔ مذکورہ بارہ دری کی عمارت کے مشرق میں جنوبی ستون پر چھ شعر تاریخ تعمیر سے متعلق تحریر ہیں۔ چھٹے اور آخری شعر سے ہجری وعیسوی تاریخیں نکلتی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

سقف سلطانی بنا اے خوب شد ایوان وعمارت بے نظیر
۷۶ ھ ۱۳ ۷ ۵ ء ۱۹

۱۶۔ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء غازی احسن شہید عرف بانکے میاں کا مزار بھی جدید طرز کا تعمیر ہوا۔ یہ مزار سوت ندی کا پل پار کرکے تھوڑا بائیں ہاتھ کو بن کے شروع میں خام راستے پر پڑتا ہے۔ یہاں سے جانب مغرب تقریباً ۱۰۰-۱۵۰ گز کے فاصلے پر سلطان العارفین صاحب کا مزار ہے۔

۱۷۔ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں حضرت بی بی زینب عرف بنّو بی ہمشیرہ سلطان العارفین صاحب کے مزار پر لنٹر کی چھت ڈلوا کر پختہ اور جدید عمارت بنوائی گئی ہے۔ یہ مزار حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار سے قریب سو گز کے فاصلہ پر جنوب کی طرف بن میں ہے۔

۱۸۔ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں بمبئی کے ایک مشہور تاجر جناب منظور الزّماں نے حجرۂ چلّہ نشینی کے شمال میں بیرون حریم زائرین کے قیام کے لئے چند کوارٹر تعمیر کرائے۔

۱۹۔ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں چھٹّن مستری باشندۂ دہلی نے درگاہ کے احاطے کے اندر حجرۂ چلّہ نشینی کے مغرب میں ایک مسافر خانہ تعمیر کرایا جس کے مغرب میں وضو خانہ، حمام، ٹنکی اور پانی کے نل، بجلی کی موٹر اور حجرۂ امام مسجد ہے اور حجرہ کی جنوبی سمت میں نو تعمیر مسجد ہے۔

۲۰۔ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں بریلی کے شیر بیڑی ڈسٹری بیوٹرز کے پروپرائٹر ایک ہندو عقیدت کیش نے زیر نگرانی شیر بیڑی سیلز مین رؤف احمد بدایونی دریائے سوت پار کر کے جانب مغرب ۲۰-۳۰ گز کے فاصلے پر زیارت جانے والی سڑک کے آغاز میں بدایوں متھرا روڈ پر لبِ سڑک ایک بلند اور خوشنما دروازہ تعمیر کرایا۔ اس دروازے کی پیشانی پر "بیادگار باب فضل" تحریر ہے۔ زیارت کی طرف جاتے ہوئے اس دروازے سے ڈیڑھ دو فرلانگ پر

مغرب میں نواب عبدالغفار والا دروازہ ہے۔

۲۱۔ قدیم حجرۂ اقامت

حضرت سلطان العارفین صاحب کے والدین مع اہل وعیال بدایوں تشریف لانے کے بعد جہاں پر اقامت پذیر ہوئے وہ جگہ محل وقوع کے لحاظ سے محلّہ کمانگراں اور محلّہ سوتھ سے ملحق ہے۔آپ کے زمانے میں ایک وسیع قطعۂ آراضی آپ کے تصرّف میں تھا۔رہائشی مکان دومنزلہ بنا تھا اور آپ کی رہائش بالا خانہ پر تھی۔اس کے حصّۂ زیریں میں سماع خانہ تھا۔متعلقین اور خدام وغیرہ کے لئے اسی زمین پر مکانات بنے ہوئے تھے۔حضرت شاہ ولایت صاحب کے بعد سے خاندان خدّام کے افراد وقتاً فوقتاً دوسرے محلوں میں منتقل ہوتے رہے رفتہ رفتہ سلطان العارفین صاحب کے زمانے کی سب عمارتیں منہدم ہوتی چلی گئیں۔ بعدازاں حضرت سلطان العارفین صاحب کے پیرزادے شیخ اعظم سہروردی بن عمادالدین بن شیخ الشّیوخ شہاب الدین سہروردی جو آپ کے ہمراہ بدایوں آئے تھے ان کی اولاد نے اس افتادہ زمین پر قبضہ کر کے آپس میں اس کو تقسیم کرلیا۔شیخ اعظم سہروردی کی اولاد کمانگراں کا خاندان کہلاتا ہے اور آج تک اس نسل سے بدایوں میں آباد ہیں۔الغرض اس زمین پر بعض حصہ داروں نے اپنی سکونت کے واسطے مکان بنوائے اور بعض نے اپنے حصّے کی آراضی دوسروں کے ہاتھ فروخت کردی۔اس خریدی ہوئی زمین پر نئے خریداروں نے اپنے لئے مکان

بنا لئے۔ امتدادِ زمانہ سے حضرت سلطان العارفین صاحب کے زمانے کا وسیع رقبہ رفتہ رفتہ مختصر ہوتا چلا گیا۔ صرف شیخ میر محمدی عباد اللہ عرف باد اللہ کے حصّے کی وہ زمین رہ گئی جس پر حضرت سلطان العارفین صاحب کا رہائشی بالا خانہ تھا۔ اس حصّے کی زمین کا رقبہ اندازاً سو سوا سو گز سے زیادہ نہ ہوگا۔ ۱۳۳۵ھ میں شیخ محمد بخش ولد میر محمدی نے اس زمین پر ایک چبوترہ بنوایا اور اسے خشتی جالیوں سے چار دیواری بنوا کے محفوظ کر دیا اور اس کے گوشۂ جنوب و مغرب میں لبِ سڑک ایک گنبد دار حجرہ تعمیر کرایا جو طول و عرض میں تقریباً ۱۲-۱۵ فٹ ہوگا اور اس حجرہ کا دروازہ شمال کو رکھا۔ چبوترہ کے شمال و مشرق میں برگد کا ایک درخت بھی لگایا۔ اب بھی چبوترہ کی حریم کی چار دیواری کا ایک دروازہ شمال کی طرف لبِ سڑک ہے۔
یہ جدید تعمیر اندرون قلعہ جامع مسجد شمسی بدایوں کے جنوب و مشرق میں محلّہ کمنگراں اور محلّہ سوتھ کی حدود میں واقع ہے۔ سنتے چلے آئے ہیں کہ اسی گوشۂ مکان میں جس پر حجرہ تعمیر ہو گیا ہے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب تا زیست قیام فرما رہے اور اسی جگہ پر آپ کی وفات ہوئی۔ راقم کے جدّ بزرگوار اور مرشد مولانا حاجی محمد ایثار علی شاہ عرف مولوی میاں صاحب ذائقؔ خلف و سجّادہ نشین حضرت قبلہ مذاق میاں صاحب نے اس جدید تعمیر سے متعلق قطعۂ تاریخ میں دو شعر کہے تھے۔ اس پر راقم نے چند شعروں کا اضافہ کیا۔ قطعۂ تاریخ سے متعلق اشعار حسب ذیل ہیں ؎

سیّد السّادات جانِ پنجتن — جس کے فیضِ عام کی صدیاں گواہ
ہیں وہی سلطانجی روشن ضمیر — شیخ شاہی موئے تاب عالم پناہ
آپ کا اسم مبارک ہے حسنؔ — آپ کا حُسن آفتاب ہر نگاہ
اُن کی صورت کے تصور کا جمال — دیدۂ دیدار کی آماجگاہ
تذکرہ ان کے کرم اکرام کا — ہے زبان خَلق پر شام و پگاہ
آج تک ان کی سکونت کا مقام — ایک عالم کا ہے منظور نگاہ
کی اقامت جس جگہ پر آپ نے — ہے مبارک وہ جگہ بے اشتباہ
یہ جگہ وہ ہے کہ جس کی خاک کا — ذرّہ ذرّہ سُرمۂ اہل نگاہ
جس زمیں نے آپ کے چومے قدم — اس زمیں کی بات کیا ہے واہ واہ
حجرۂ اقدس کی یہ تعمیر نَو — بن گئی حُسنِ عقیدت کی گواہ

ہے مکان حضرتِ روشن ضمیر
شیخ شاہی شاہِ والا بارگاہ
لکھ بِنا کا سال ذائقؔ باادب
۷
بن گئی اب سہروردی خانقاہ
۷+۱۳۲۸ = ۱۳۳۵ھ

جائداد موقوفہ

حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے مزارات کے نام سے مواضعات معافی دوام

۱۔ ناگر	پرگنہ اجھیانی	مُسلّم بست بسوہ	حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے تھا۔
۲۔ بہیڑیا	پرگنہ بدایوں	مُسلّم بست بسوہ	حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے موضع کُھنک کے پاس تھا۔
۳۔ گنگچورہ	پرگنہ اجھیانی	نصف دس بسوہ	اس گانوں میں دو پٹیاں تھیں۔ ایک حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے اور ایک حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے۔ یہ موضع بڑی زیارت سے ندی کی سمت کو ملا ہوا ہے۔ اس سے ملا ہوا پُل

			پارکر کے مغرب کی جانب کونڈا ابہیڑی بریلی والے بنئے کا تھا۔
۴۔بنگواں	پرگنہ اجھیانی	نصف دس بسوہ	اوّل مُسلَّم ہوگا لیکن بعد کو کچھ حصہ بُرد برار ہونے کی وجہ سے نکل گیا۔ندی کاٹ کر ایک موضع کی زمین دوسرے موضع میں پھینک دے اس کو بُرد برار کہا جاتا ہے۔دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔
۵۔کورَوَ	پرگنہ اجھیانی	۳۰۰بیگھ آراضی پختہ	دونوں زیارتوں کے نام سے نصف نصف تھا۔خدّام درگاہ کی بے عنوانی کی وجہ سے ضبط ہوگیا۔اور یہ موضع کُرمیوں کا ہوگیا۔

۶۔شکراپور	پرگنہ بدایوں	مُسلَّم بست بسوہ	دونوں مزارات کے نام سے تھا۔
۷۔حضرت پور لہرا	پرگنہ بدایوں	مُسلَّم بست بسوہ	حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے تھا۔
۸۔بہٹہ ایمن	پرگنہ بدایوں	مُسلَّم بست بسوہ	دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔اس موضع میں کچھ حصہ اوروں کا تھا مگر وہ لوگ پیرزادوں میں ہی تھے۔ ان کی کچھ پٹّی خالص الگ تھی ۔ جلال الدین کے لڑکوں انتظار حسین وغیرہ کے نام سے۔
۹۔آراضی متفرق قصبہ بدایوں محال معافی دوام متصل کربلا	قصبہ بدایوں		دو پٹیاں تھیں۔ایک حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے اور ایک حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے جن کا مجموعی رقبہ

قریب چار سو بیگھ پختہ تھا۔

۱۰۔ ماضی قریب میں حاجی محمد حسین ساکن اودے پور ضلع پیلی بھیت نے مبلغ پچاس روپئے سالانہ آمدنی کی جائداد اور حاجی منظور احمد رائی ساکن پیلی بھیت نے پچیس روپئے سالانہ کی جائداد حضرت سلطان العارفین صاحب کی درگاہ کے لئے وقف کی تھی۔ یہ دونوں حضرات مرزا بادل بیگ صاحب کے مرید تھے۔

زیارات کے مواضعات وقف کی آمدنی۔ مصارف۔ حصوں کی تقسیم اور بعض دیگر امور کی تفصیل

حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے مختلف سلاطین سابق کے عہد سے جو دیہات وغیرہ وقف چلے آرہے تھے ان کے مندرجات میں پچھلے سو ڈیڑھ سو سال کے عرصے کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تذکروں میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال مکرمی منشی مصطفیٰ حسین شہر پٹواری بدایوں نے سرکاری اندراجات کے مطابق راقم کو پوری تفصیل لکھوائی جب وہ کراچی آئے ہوئے تھے۔ پھر انھوں نے بدایوں واپس جا کر حسبِ وعدہ مزید ضروری معلومات فراہم کر کے بذریعہ ڈاک ارسال کیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل تفصیل اسی حوالے سے ہے۔

ان تمام مذکورہ مواضعات کی آراضی بہ ذیل معافیات دوامی بدستور قائم

رہی اور اندراج بدستور رہا البتہ یہ تمام معافیات عہد برطانیہ تک قائم رہیں۔ یکم جولائی ۱۹۵۲ء سے خاتمۂ زمینداری ایکٹ نافذ ہو کر تمام معافیات بحق سرکار ضبط ہو گئیں۔

جائداد موقوفہ کے متولّی پیرزادگان خدام آستانہ ہی تھے۔ بہر حال ہر دو حضرات کی جائداد کو محکمہ سُنّی وقف بورڈ لکھنؤ نے ۱۹۴۲ء میں کلیتاً وقف کارِ خیر قرار دے کر اپنے محکمہ میں اس کا اندراج کر رکھا تھا۔ چنانچہ وقف ایکٹ ۱۹۳۶ء کی دفعہ ۵ کی رو سے متولّیان نے ۱۹۴۵ء میں محکمہ مذکور کے خلاف عدالت سول ججی بدایوں میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے مقدمہ دائر کیا۔ یہ مقدمہ غالباً سات سال برابر چلتا رہا۔ بالآخر ۱۹۵۲ء میں خاتمۂ زمینداری ہونے پر متولّیان اور بورڈ کے درمیان بایں طور تصفیہ ہو گیا کہ جائداد تو کلیتاً بہ کارِ خیر وقف رہے گی مگر اس کی آمدنی کا ۲/۳ حصہ متولّیان و خادمان کے ذاتی مصرف کے لئے چھوٹا رہے گا جس کا حساب بورڈ کبھی طلب نہیں کرے گا۔

آمدنی سات مواضعات کی بہت تھوڑی تھی۔ دونوں درگاہوں کی صرف ساڑھے چار ہزار روپے سالانہ تعیّن کی گئی اور بعد خاتمۂ زمینداری یعنی ۱۹۵۲ء میں آمدنی گورنمنٹ پر واجب ہو گئی اور ۱۹۵۲ء لغایۃ ۱۹۵۵ء آمدنی کے کاغذات مرتّب ہوتے رہے مگر ۱۹۵۵ء یعنی آمدنی ملنے والے سال میں متولّیان کے درمیان کچھ کشمکش پیدا ہو گئی۔ رحمان بخش صاحب جو رئیس شہر

بھی تھے اور ۱۹۴۴ء میں بورڈ کے سکریٹری بھی رہ چکے تھے اُن کے پاس متولیان اپنے تصفیہ کی غرض سے گئے۔ ان حضرت نے بجائے تصفیہ کرانے کے معاملے کو اور بڑھادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بورڈ نے مئی ۱۹۵۵ء میں سب متوّلیان کی تولیت شکست کر کے آمدنی کا تقریباً آٹھ ہزار روپیہ خود حاصل کرلیا۔ اس میں سے غالبًا دو ڈھائی ہزار روپیہ مزارات پر خرچ کردیا۔ بقیہ روپیہ اب تک بحوالہ مرقومہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۸ء بورڈ کی تحویل میں ہے۔ چنانچہ متوّلیان کو بورڈ کے خلاف ہائی کورٹ الہ آباد میں رٹ دائر کرنا پڑا اور حضرات کی دعا سے وہ رٹ بہت جلد یعنی صرف دو ماہ کے اندر منظور ہوگیا اور ہائی کورٹ کے جج مسٹر چترویدی صاحب نے اپنی تجویز میں یہ تحریر فرمایا کہ بورڈ ایکٹ کی کسی دفعہ کے تحت متوّلیان کو برخاست کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ بورڈ صرف متوّلیان کی نگرانی کرسکتا ہے۔ اس کے بعد سے متوّلیان یعنی پیرزادوں کی حیثیت متوّلیانہ ہے۔ معاوضہ ۱/۲ حصہ آمدنی جائداد اور ۱/۲ حصہ آمدنی بھتہ بازاری اور کلیتاً چڑھاوا ہر دو زیارات کا اب متوّلیان اور جملہ خادمان زیارت مطابق اپنے اپنے حصص کے بموجب حصہ کشی باہمی زیارت کے پانے کے مستحق قرار پاچکے ہیں۔

چڑھاوے کی تقسیم، بڑی زیارت کے لئے ۱۹۱۹ء سے عدالت سے ہفتے تقسیم ہیں ایک ذیل ۲۷ یوم اور دوسری ذیل ۲۲ یوم اور تیسری ذیل صرف ۷ یوم یعنی کل ۵۶ یوم پر تقسیم ہے اور یہی تسلسل سائیکل کے پہیئے کی طرح ۱۹ دسمبر

۱۹۱۹ء سے جاری و نافذ ہے۔ چھوٹی زیارت میں ابھی ہفتہ وار تقسیم نہیں ہے۔ سب پیرزادگان برابر اپنے حصے کے مطابق حصے حاصل کرتے ہیں اور بڑی زیارت میں ۲۴ رمضان خاص بڑے عرس پر سب مستحقین مطابق اپنے حصہ جات کے حصہ پانے کے مستحق قرار پائے ہیں۔

مناقب

سیّد السّادات سلطان العارفین خواجہ حسن شیخ شاہی قدس سرہٗ

مصنّفہ مولانا محمد دلدار علی شاہ مذاقؔ المعروف بہ
مذاق میاں صاحب بدایونی

ہو شفا بیمار ہوں یا حضرتِ سلطان جی
درد مندِ زار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

چارہ سازی کر بحق پنجتن اور چار یار
ششدر و لاچار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

میں ہوں پابند بلا کیجیے رِہا بہرِ خدا
بندۂ سرکار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

شہریاروں پر رعیّت کی حفاظت کا ہے حق
حق یہ ہے حقدار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

رہتے ہیں خادم سدا محفوظ ہر آفات سے
میں بھی خدمتگار ہوں یاحضرت سلطان جی

سحر سے آسیب و سَودا سے معہٗ گھر بار کے
پاک وصاف اک بار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

دفع ہوں امراض جسمانی و روحانی تمام
سربسر آزار ہوں یاحضرت سلطان جی
ہووے صحّت جسم وجاں کو دیدہ ودل کو قرار
مضطر وبیمار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
خواب راحت چشم میں ہو دل مرا بیدار ہو
روز و شب بیدار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
سب گناہوں کا ہو کفّارہ زیارت آپ کی
بد ہوں نیکو کار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
چل کے دریا پار آیا تیری عشرت گاہ میں
بحرِ غم سے پار ہوں یاحضرت سلطان جی
دو گدا کو اپنے دروازہ کی عزّت اور وقار
اک ذلیل وخوار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
پائے بوسی گر مُیسّر ہو حضور پاک کی
پھر سَر و سردار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
دل کے سب مطلب ہوں آنکھوں کوتمہاری دید ہو
طالب دیدار ہوں یاحضرت سلطان جی
یار و یاور کون ہے کس سے کہوں اور کیا کروں

بیکس و بے یار ہوں یاحضرت سلطان جی
ہم تو ہیں مجروح تم مرہم دل افگاروں کے ہو
میں جگر افگار ہوں یاحضرت سلطان جی
جلد تر پھولے پھلے بن میں ترے نخلِ مراد
خشک و تر جیوں خار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
پیش دروازہ کبھی درگاہ میں گہہ جبہہ سا
گہہ پس دیوار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
حجّ بیت اللہ ہے مجھ کو زیارت آپ کی
حاجی و زوّار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
کعبۂ مقصود ہے درگاہ کہتا ہے یہ چاہ
چاہ زمزم وار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
نور کی ظلمت ہے بَن تم خضر سوت آبِ حیات
پیاسا بھٹکوں خوار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
میرے زندہ پیر اس دم دستگیری کیجئے
زیست سے بیزار ہوں یاحضرتِ سلطان جی
تو بھی دلدار علی کو جان اپنا یا حسن
آپ کا دلدار ہوں یاحضرتِ سلطان جی

تم مرے پیر مغان ہو میکدے کا آپ کے
میں بھی اک میخوار ہوں یا حضرتِ سلطان جی
دو مجھے اک جام عرفاں میں مذاق رند ہوں
مست ہوں سرشار ہوں یا حضرتِ سلطان جی
حال میرا جس طرح بدلا بدل کر اور طرح
پڑھتا کچھ اشعار ہوں یا حضرتِ سلطان جی

منقبت حضرت سلطان العارفین

شکر ہو کیوں کر ادا یا حضرتِ سلطان جی
پھیر دی تم نے قضا یا حضرتِ سلطان جی
میں نے رکھا آپ کی درگاہ میں جس دم قدم
ٹل گئی سر سے بلا یا حضرتِ سلطان جی
تم ہو عامل تم ہو کامل تم ہو حاکم تم حکیم
تم دعا ہو تم دوا یا حضرتِ سلطان جی
ایک دم میں صاف کاٹا روگ ساری عمر کا
حکم قاطع ہے ترا یا حضرتِ سلطان جی
آپ کی دارالشفا میں خوب ہو اس کا علاج

جو مرض ہو لادوا یا حضرتِ سلطان جی

گر تری درگاہ میں آبِ بقاہے آبِ چاہ
خاک ہے خاکِ شفا یا حضرتِ سلطان جی

آپ تو آل نبیؐ ہیں اور اولادِ علیؓ
ابن حضرت فاطمہؓ یا حضرتِ سلطان جی

ہو نسب میں تم حُسینی نامِ نامی ہے حَسن
حُسن میں زین العِبا یا حضرتِ سلطان جی

تم میں آیا ہے امام باقرؔ عادل کا عدل
تم ہو عادل بادشا یا حضرتِ سلطان جی

تم کو پہنچی ہے امام جعفرؔ صادق کی اِرث
تم ہو باصدق و صفا یا حضرتِ سلطان جی

اے حَسن موتاب تم بندہ کے ہو مشکل کشا
سربسر عقدے ہوں وایا حضرتِ سلطان جی

جعفری سیّد ہو تم اور شیخ شاہی ہے لقب
ہے حَسن نام آپ کا یا حضرتِ سلطان جی

آپ ہیں اختر یمن کے ثانی اُوَیسِ قرَن
عاشقِ بدرالدُّجیٰ یا حضرتِ سلطان جی

حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری ہیں پیر
سہروردی سلسلہ یا حضرتِ سلطان جی
پیر شیخ و شاب مرد خاندان سہرورد
مردِ میدانِ خدا یا حضرتِ سلطان جی
حضرت حاجی جمال الدین ملتانی ہوئے
اوستاد و مقتدا یا حضرتِ سلطان جی
پیر و استاد آپ کے ہیں آفتاب و ماہتاب
مطلع نور و ضیا یا حضرتِ سلطان جی
شاہ بدرالدین ہیں بھائی تمہارے رشک ماہ
غیرت مہرِ سما یا حضرتِ سلطان جی
حشر تک اس شہر کے شاہ ولایت ہیں وہی
ہیں ولیِ اولیا یا حضرتِ سلطان جی
عارفوں کے تم ہو سلطاں عاشقوں کے بادشاہ
سید شاہ و گدا یا حضرتِ سلطان جی
آتش عشق الٰہی میں ہوئے جل کر شہید
دی شہادت کو جلا یا حضرتِ سلطان جی
دفن ہیں ماں باپ بھائی بھانجے درگاہ میں

کیا منوّر ہے یہ جا یا حضرتِ سلطان جی

جیسے تم ویسے تمہارے والدین و اقرِبا
رکھتے ہیں قرب خدا یا حضرتِ سلطان جی

تیرے قوّالوں کی تربت کا رہے ہے مُجرئی
مطربِ بزم سما یا حضرتِ سلطان جی

تربتوں سے از زمیں تا آسماں گلزار ہے
ہیں ہزاروں اولیا یا حضرتِ سلطان جی

نور کا عالم نظر آتا ہے ہر انساں کو صاف
ہے عجب جائے فضا یا حضرتِ سلطان جی

نورافشاں دونوں بَن اک بحر رحمت سوت ہے
جنّت و کوثر ہیں یا یا حضرتِ سلطان جی

ہر جڑی بوٹی پہ اِس بَن کے ہے عالم خضر کا
یا ریاض قدس کا یا حضرتِ سلطان جی

قدرتِ حق بن گیا ہے بَن چمن فردوس کا
ہو سدا پھولا پھلا یا حضرتِ سلطان جی

یہ جگہ نام خدا ہے لائق حمد و ثنا
قابل صَلِّ علیٰ یا حضرتِ سلطان جی

میرے حال پُر شکایت کو کیا احوال شکر
کیا کروں شکر آپ کا یا حضرتِ سلطان جی
شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
شکر نعمت ہووے کیا یا حضرتِ سلطان جی
ہوتی ہے نعمت زیادہ شکر گر تھوڑا ہی ہو
دیجے بدلہ شکر کا یا حضرتِ سلطان جی
از برائے مصطفیٰ و مرتضیٰؓ و فاطمہؓ
واسطہ سبطین کا یا حضرتِ سلطان جی
واسطہ سب آل کا اصحاب کا ازواج کا
بہر جملہ اولیا یا حضرتِ سلطان جی
واسطہ ہے تم کو اپنے پیر اور استاد کا
واسطہ ماں باپ کا یا حضرتِ سلطان جی
واسطہ دار آپ کے ہیں اور جتنے رشتہ دار
تم کو سب کا واسطہ یا حضرتِ سلطان جی
میں بھی ہوں اک آپ کا حقدار اور امّید وار
کیجیے میرا حق ادا یا حضرتِ سلطان جی
تم ہو میرے شاہ اور میں آپ کا مدّاح ہوں

مدح کا دیجے صلہ یا حضرتِ سلطان جی

تم شہِ دارین ہو دو دولت دنیا و دیں

ہو ہر اک نعمت عطا یا حضرتِ سلطان جی

دائما فضل آپ کا بندہ کے شامل حال ہو

تم پہ ہے فضل خدا یا حضرتِ سلطان جی

دین اور دنیا کی برآئیں مرادیں مّنتیں

حاجتیں ہوں سب روا یا حضرتِ سلطان جی

ہر دعا بندہ کی درگاہ خدا میں ہو قبول

تم ہو مقبول خدا یا حضرتِ سلطان جی

شادوآباد آپ رکھیۓ مجھ کو اپنے شہر میں

عیش و عشرت سے سدا یا حضرتِ سلطان جی

ہر بلا سے حفظ میں رکھیۓ معہ اہل و عیال

رَد ہو میری ہر بلا یا حضرتِ سلطان جی

ہم ہمیشہ آپ کے ظلِّ حمایت میں رہیں

آپ ہیں ظلِّ خدا یا حضرتِ سلطان جی

خیر و برکت دین و دنیا کی رہے ہر کام میں

خیر سے ہو خاتمہ یا حضرتِ سلطان جی

ہووے آنکھوں میں مذاق جام عرفاں کا سُرور
دل ہو ہر دم با مزا یا حضرتِ سلطان جی
سب دعائیں ہوں قبولِ حضرتِ ربِّ کریم
آپ آمیں کہیے گا یا حضرتِ سلطان جی
ہے دُرودِ حضرتِ خَتمِ الرُّسل ختمِ کلام
وِرد ہے صَلِّ علیٰ یا حضرتِ سلطان جی

منقبت حضرت سلطان العارفین

صاحبِ معرفت اہلِ عرفاں
عارفوں کے ہو شہا تم سلطاں
نامِ نامی ہے جہاں میں مشہور
عُرف ہے آپ کا معروفِ زماں
دور و نزدیک سے مردانِ خدا
آتے ہیں تیری زیارت کو یہاں
حاجتیں سب کی روا ہوتی ہیں
کیوں نہ ہو مجمعِ حاجت منداں
بندگی میں ہیں تری خاص و عام

آپ ہیں بندۂ خاص سبحاں
ہوتی مرقد پہ ہے مقبول دعا
تم ہو مقبولِ جنابِ یزداں
وعدہ فرمایا ہے تم نے لاریب
لائے حاجت جو کوئی میرے یہاں
کام گر اُس کا نہ ہووے تو وہ شخص
قبر میری کرے بے نام و نشاں
وعدہ مردانِ خدا کا حق ہے
بخدا بہرِ عقیدت منداں
خوش عقیدت نہیں رہتے محروم
بدعقیدوں کو ہے حاصل حرماں
فیضیاب آپ سے ہیں شاہ و گدا
فیض بخش آپ ہیں اور فیض رساں
گرچہ ہوتی ہے دعا سب کی قبول
بالیقیں فرقِ مراتب ہے یہاں
بخدا آیتِ اُدْعُونی کی
تیری درگاہ ہے تصدیق کُناں

خوب دانا ہے حکیم مطلق
کچھ سمجھتے نہیں بندے ناداں
لا علاج اپنا مَرَض تھا واللہ
درد درماندوں کا تھا بے درماں
گزرا اس حال سے کچھ کم اک سال
تھا گرفتارِ بلائے دَوراں
مثل عرضی میں قصیدہ لکھ کر
ہوا حاضر جو حضورِ سلطاں
نہ رہا سحر نہ سَودا آسیب
گیا آزارِ عیاں اور نہاں
میں نے دیکھی یہ کرامت ایسی
سُن کے حیراں ہو جسے ہر انساں
پھر پڑھا اور قصیدہ قصداً
مُشعِرِ[1] (یاددلانے والا) شکر شہِ کون و مکاں
جو کوئی اس کو لکھے اور پڑھے
یا سُنے دیکھے بصدق و ایقاں
وہ بھی ہو میری دعا میں شامل
مدعا ہے یہ مرا از دل و جاں

اس میں مضمون قبولیّت کے
صاف ظاہر ہیں عیاں را چہ بیاں
کیا ہو اُس صاحبِ عرفاں کی صفت
وصف میں جس کے ہیں عارف حیراں
اس قصیدے کا رکھا میں نے مذاقؔ
نام تاریخی مذاقؔ العرفاں
۱۲۷۳ھ

منقبت سلطان العارفین

میں گدا ہوں تم شہِ شاہاں مرے سلطان جی
میں ہوں سائل تم سخی سلطاں مرے سلطان جی
سَرورِ پیغمبراں تک ہو کریم ابنِ کریم
کرکرم سردارِ سرداراں مرے سلطان جی
باپ تیرا شیر یزداں آپ ہیں شیروں کے شیر
شیر مرد ابنِ شہِ مرداں مرے سلطان جی
اے مرے محسن حسن حُسن حَسن کا واسطہ
کیجیے بہر حُسین احساں مرے سلطان جی
چاردہ معصوم کے بارہ اماموں کے جگر

پنجتن کے تم ہو دل اور جاں مرے سلطان جی

صدقہ نام پاک کا سلطان کا جی ہووے صاف

میں تمہارے نام کے قرباں مرے سلطان جی

صدمۂ لخت جگر کا کر شتابی سے علاج

دردِ دل کا جلد ہو درماں مرے سلطان جی

تم حکیمِ حکمراں ہو تم طبیبِ جسم و جاں

تم ہو افلاطون اور لقماں مرے سلطان جی

ہوں بہت لاچار بہر پنجتن اور چار یار

چارۂ بے چارگاں کر ہاں مرے سلطان جی

ہو بخوبی تیرے بیماروں کو صحت دمبدم

اے مسیحا دم شہِ خوباں مرے سلطان جی

بن کے احوالِ طبیعت پھر نہ بگڑے جیتے جی

حالت صحت رہے یکساں مرے سلطان جی

قطب ہیں شاہ ولایت ہیں بدایوں کے لئے

غوث اعظم خواجۂ ذیشاں مرے سلطان جی

پائے رفتن جائے ماندن بھی نہیں حیران ہوں

میں شکستہ پا و سرگرداں مرے سلطان جی

سہل ہوں دشواریاں مشکل کُشا کا واسطہ
مشکلیں ہوں سب مری آساں مرے سلطان جی

خاک پا سے تیرے ٹل جاتا ہے سحرِ سامری
دفع کر جادوئے کُفّاراں مرے سلطان جی

میرے آقا میرے مولا میرے سَرور میرے شاہ
اے مرے سیّد مرے سلطاں مرے سلطان جی

کرتے ہیں مہماں نوازی میزبانانِ کریم
میں تمہارے در پہ ہوں مہماں مرے سلطان جی

میں ہوں محتاج و گدا تم ہو مرے حاجت روا
میں ہوں مسکیں تم شہِ شاہاں مرے سلطان جی

ہند میں تیرا درِ دولت ہے اک جائے قبول
تم ہو وہ مقبولِ ہندُستاں مرے سلطان جی

تم کو غیرت ہم غلاموں کی ہے سلطانِ غیور
اہلِ غیرت صاحبُ السّلطاں مرے سلطان جی

جانتا ہوں میں خدا کے حکم سے سب جنّ و اِنس
ہیں تمہارے تابعِ فرماں مرے سلطان جی

صدمۂ آسیبِ جنّ و اِنس سے ہووے نجات

دفع ہو آسیب اِنس و جاں مرے سلطان جی

سہل چھٹکارا گرفتار بلا سے جن کا ہو
جنّ ہیں تیرے بلا گرداں مرے سلطان جی

بخش دے شاہا خطائیں ظاہری و باطنی
اے خطا بخشِ خطا کاراں مرے سلطان جی

کوئی سائل درگہِ شاہی سے کیوں محروم جائے
ہو کسی کو کس طرح حرماں مرے سلطان جی

دوستوں کے تم ہو یاور تم ہو وہ یاروں کے یار
ہو عرق کی جائے خون افشاں مرے سلطان جی

تم ہو سچے وعدۂ حاجت روائی بھی ہے سچ
سچ یہ بے شک مجھ کو ہے ایقاں مرے سلطان جی

ہو مریضہ پاک وصاف اور سب معاصی ہوں معاف
عفو کر جُرمِ گنہگاراں مرے سلطان جی

دو شہا اک دم میں دلدارِ علی کے جی کو چین
اے مرے دلدار اے جاناں مرے سلطان جی

دو جہاں میں بامزہ رکھئے مَعِ اہل و عیال
ہے مذاقؔ اک تیرا مدحت خواں مرے سلطان جی

منقبت حضرت سلطان العارفین صاحب

ہجومِ لشکرِ غم ہے دُہائی شیخ شاہی کی
نہ مونس ہے نہ ہمدم ہے دہائی شیخ شاہی کی

تن تنہا مری اک جان پہ صدہا مصائب ہیں
ہزار اندوہ اک دم ہے دہائی شیخ شاہی کی

عجائب حال ہے حیران عالم میں کہوں کس سے
عجب حیرت کا عالم ہے دہائی شیخ شاہی کی

سُنیں گے دیکھئے کس دم وہ مجھ ناکام کی فریاد
زباں پر میری ہردم ہے دہائی شیخ شاہی کی

نہیں مجھ ناتواں میں اب زیادہ صبر کی طاقت
توانائی بہت کم ہے دہائی شیخ شاہی کی

رکھے ہے مجھ کو جورِ گردشِ افلاک سرگرداں
جفائے چرخ پیہم ہے دہائی شیخ شاہی کی

قدیم اُن کی ہے شاہی پہلے میں ان کی دہائی دوں
مجھے سب سے مقدّم ہے دہائی شیخ شاہی کی

وہ سلطانِ زماں سلطان ملک فقر و عرفاں ہے
وہی سلطانِ عالم ہے دہائی شیخ شاہی کی

وہی شیخ الشیوخ اور خواجۂ قطب المشائخ ہے
وہ میراں غوث الاعظم ہے دہائی شیخ شاہی کی

اخیِ اعظم و شاہنشہِ شاہِ ولایت ہے
وہ سلطانِ معظّم ہے دہائی شیخ شاہی کی

ستاتا ہے دمادم مجھ کو حال ہولناک اِس دم
مرا اب ناک میں دم ہے دہائی شیخ شاہی کی

غم و غصہ سے ہے گھر بار کا نقشہ تہ و بالا
بلا درہم ہے برہم ہے دہائی شیخ شاہی کی

رہوں محفوظ ہر دم سحر سے آسیب و سَودا سے
یہ دم میں جب تلک دم ہے دہائی شیخ شاہی کی

شہِ کرب و بلا کا غم رہے دفع بلا ہووے
نہ ہو کچھ غم محرّم ہے دہائی شیخ شاہی کی

خرابی حال کی ظاہر ہے درد و آہ و نالہ سے
مذاقِ خستہ پُر غم ہے دہائی شیخ شاہی کی

منقبت حضرت سلطان العارفین صاحب

خدا کے سامنے دوں گا دُہائی شیخ شاہی کی
دُہائی ہے خداوندا دہائی شیخ شاہی کی

گھِرا ہے گھر مرا سلطانجی صاحب کی نگری میں
بلاؤں کا ہے اک بلوا دہائی شیخ شاہی کی

قیامت غل مچا ہے زور پر غوغا بلا کا ہے
غضب ہے شور و ہنگامہ دہائی شیخ شاہی کی

دہائی شاہ ولایت کی چڑھائی فوج غم کی ہے
اوتارا لشکرِ ہم کا دہائی شیخ شاہی کی

کروں میں آہ و نالہ جا کے دریا پار کے بن میں
نہیں لگتا ہے تھل بیڑا دہائی شیخ شاہی کی

جلاؤں دن کو مشعل ہے عجب اندھیر دنیا میں
ہے روز روشن اندھیرا دہائی شیخ شاہی کی

وہ بدرالدّین والدّنیا ہے وہ شاہ ولایت ہے
وہ ہے سلطان دیں اپنا دہائی شیخ شاہی کی

وہی والی ولی ہے داد کا وہ دینے والا ہے
کروں فریاد و واویلا دہائی شیخ شاہی کی

حکومت اس کی ہے ہوں محکمہ میں اس کے فریادی
وہ ہے حاکم حکیم اپنا دہائی شیخ شاہی کی

رعایا کو اسی کی ہر طرح واجب رعایت ہے
رعیّت اس کی ہے بندہ دہائی شیخ شاہی کی

غلام و خادم اس کا بندۂ درگاہ ہوں اس کا
گدا ہوں اس کے ہی در کا دہائی شیخ شاہی کی

وہی ہے والی و مولا وہی ہے سیّد والا
وہی ہے میرا رکھوالا دہائی شیخ شاہی کی

اسی کے در پہ ہوگا استغاثہ مُستغیثوں کا
پکاروں اَلغیاث اس جا دہائی شیخ شاہی کی

رہوں شاہی و سلطانی میں ان کی ایسی تنگی میں
میں رہنے سے بہ تنگ آیا دہائی شیخ شاہی کی

کروں فریاد کس سے اور کہاں جا کر دہائی دوں
وہی ہے داد رَس ہر جا دہائی شیخ شاہی کی

دہائی دی در شاہی پہ بندہ نے کئے چلّے
گیا اب تک نہ چلّانا دہائی شیخ شاہی کی

ٹلے سایہ مرے سر سے ہمیشہ کو بَلا جائے

سراسر دفع ہو سودا دہائی شیخ شاہی کی

بعفو و عافیت فضل و کرم لطف و عنایت ہو

ستاتا ہے غم و غصّہ دہائی شیخ شاہی کی

مذاق بے مزہ کو بامزا رکھ مدح خواں یارب

مزے میں ہو تو کیوں دے گا دہائی شیخ شاہی کی

ترجیع بند منقبت

حضرت سلطان العارفین سید حسن یمنی شیخ شاہی قدس سرہٗ

سر تا بپا وہ سَروِ بُستانِ پنجتن ہیں نازک بدن ہیں روح و ریحان پنجتن ہیں
پاک اُن کا جان وتن ہے وہ جانِ پنجتن ہیں وہ شافیٔ دل و جاں و جانانِ پنجتن ہیں
اَمراضِ جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سُلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

محکوم دو جہاں میں ہے خلقتِ الٰہی ارض و سما میں اُن کا اک محکمہ ہے شاہی
سب حکم میں ہیں اُن کے از ماہ تا بہ ماہی حاکم حکیم اپنے ہر دم ہیں شیخ شاہی
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

مولا علیؑ جد اُن کے ہر درد کے ہیں درماں　　مشکل کُشا کے پوتے کرتے ہیں مشکل آساں
پہچان لو مریضو ہوتے ہو کیوں ہراساں　　سلطانِ عارفیں ہے داروئے درد منداں
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

خوش ہو کے درد مندو دارُالشِفا میں آؤ　　خوش خُلق آ کے دم میں ہوگا مریض بدخُو
اچھا ہو دم بہ دم وہ چنگا بھلا ابھی ہو　　جسمی ہو یا کہ روحی کوئی مَرَض کسی کو
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

میرے گناہِ ظاہر باطن کی ہو مُعافی　　آلودہ جان وتن کی پاکی ہو اور صافی
اُن کا کرم کرامت ہر کام میں ہے کافی　　اپنے مَرَض کے ہوں گے اک دم میں آپ شافی
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

پائیں گے بے دوا کے لاچار تندرستی　　دو چار دن میں ہوگی اک بار تندرستی
دم میں عطا کریں گے سرکار تندرستی　　پاتے ہیں ان کے در پر بیمار تندرستی
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

ہے عام خاصّہ یہ درگاہ اور بَن کا جاتا ہے عارضہ یاں آکر دِوانے پن کا
کوئی مرَض کسی کو عارض ہو جان وتن کا آسیبِ جاں ہو جادو یا ہو مرَض بدن کا
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

ہوتی قبولِ یزداں سب کی دعا یہیں ہے جاں بخش اور جہاں بخش ایسا کوئی کہیں ہے
بے شک مسیحِ دَوراں سلطان عارفیں ہے اس دَور میں مریضوں دل سے مجھے یقیں ہے
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

ہے آستانِ شہ پر آرامِ جان و راحت بدلے میں رنج وغم کے ہے دل کو عیش وعشرت
درگاہ میں ہو حاضر جس دم کہ باعقیدت ہو دم بدم محمد ایثار علی کو صحّت
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

تن صاف یاالٰہی سر تا بپا ہو آمیں ہو پاک جاں سراپا دفعِ بلا ہو آمیں
صدقے میں پنجتن کے فضلِ خدا ہو آمیں روح و جسَد کو یارب صحّت شفا ہو آمیں
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

ہو آپ کی دعا سے سب گھر نگر کو صحت　　صحت ہو مجھ کو میرے ہو سارے گھر کو صحت
صحت ہو نورِ چشم و نورُالبصر کو صحت　　ہووے مذاقؔ دل کو لختِ جگر کو صحت
امراض جسم و جاں کے خواجہ حسن شفا ہیں
سلطان جی ہمارے ہر درد کی دوا ہیں

رباعی

اے نورِ نبیؐ علیؓ بتولؓ و سبطینؑ　　تم پنجتنِ پاک کے ہو نورالعَین
یا خواجہ حَسن ہوں دونوں آنکھیں پُرنور　　نور العینین دو برائے حَسنینؓ

حضرت مذاق میاں کا ایک بیٹا کمسنی میں فوت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی میاں محمد ایثار علی شاہ صاحب ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ خیرات الاولیا ان کا تاریخی نام ہے ۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم سلطان العارفین صاحب کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں۔ گویا یہ رباعی کم از کم اب سے ۱۵۰ سال پہلے کی ہے۔

تاریخ بنی حمید (غیر مطبوعہ) مؤلفہ مفتی شرف علی سبزواری بدایونی

صورت میں حُسینؑ سا حَسیں ہے　　سیرت میں تو ہی حَسن حسنؓ ہے
ہے سوت بجائے جوئے کوثر　　اور روضۂ خلد تیرا بن ہے

لاریب جناب شیخ شاہی سلطانِ مشائخِ زمن ہے
ہو جائے بدل بہ عیش و عشرت جو کچھ مجھے رنج اور محن ہے
اظہار حضور میں کرے کیا
احوالِ مذاقِ مُبرہن ہے

منقبت سلطان العارفین صاحب از مؤلف

بتائیں کیا کسی کو کیا ہے رتبہ شیخ شاہی کا
رواں ہے آج تک بخشش کا دریا شیخ شاہی کا
بدایوں کے بڑے سرکار سلطان عارفیں صاحب
بڑا دربار ہے سلطانجی کا شیخ شاہی کا
زیارت کیجئے جاکر فضائے لامکانی کی
ابھی سوتہ محلّے میں ہے حجرہ شیخ شاہی کا
ہر اِک زائر کا بحرِ غم سے بیڑا پار ہوتا ہے
بنا ہے خوب دریا پار روضہ شیخ شاہی کا
ہے بالا فہم سے اندازۂ فیضانِ سلطانی
رہے گا تا قیامت بول بالا شیخ شاہی کا

نہ ڈھونڈا قیس نے سلطانجی کے بن میں لیلیٰ کو
وہیں لیلیٰ کو لے آتا اشارا شیخ شاہی کا

خدا کے فضل سے چالیس دن پل بھر میں گزریں گے
تصور ہی میں اب کھینچیں گے چلّہ شیخ شاہی کا

نظر آتا ہے اے ابرآر اہل کشف کا باطن
مری آنکھوں میں ہے نقشِ کفِ پا شیخ شاہی کا

قصیدۂ منقبت بحضور حضرت خواجہ سیّد حسن سلطان العارفین شیخ شاہی روشن ضمیر رسن تاب سلطانجی صاحب یمنی بدایونی قدس سرہٗ بتقریب عرس شریف بتاریخ شنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۲ء بمقام بدایوں شریف ''از مؤلف''

دامن میں بھر دو لعل و گہر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
حاضر ہے منگتا تیرے در پر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ

اے چشم و چراغِ مصطفویؐ اے نورِ نگاہ مرتضویؓ
اے بحرِ سیادت کے گوہر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ

اے منتخبِ اولاد نبیؐ اے آئینۂ فیضانِ علیؓ
اے آلِ حسینؓ ابنِ حیدرؓ یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ

اے مایۂ ناز پنجتنی اے سروِ خیابانِ مدنی
لعلِ یمنی والا گوہر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے نزہتِ باغِ حسنؒ بصری اے رنگ ریاضِ حبیب عجمیؒ
اے نخلِ حقیقت کے گلِ تر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے گلبُنِ داوٗدِؒ طائی اے روحِ نکہت و رعنائی
اے راہِ طریقت کے رہبر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے عارفِ معروفؒ کرخی اے جانِ جہاں ولیوں کے ولی
اے معرفتِ حق کے پیکر یا خواجہ حسن یا خواجہ حسنؒ
اے جانانِ سرّیؒ سقطی اے جانِ جُنیدؒ بغدادی
اے ممشادؒ علوی کے دلبر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے خواجہ ابی احمدؒ کے سمن اے رشکِ بہار صد گلشن
اے وجہِ سکونِ قلب و نظر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے خواجہ محمدؒ کے جانی اے چشمۂ فیضِ روحانی
اے شجرۂ وجیہ الدینؒ کے ثمر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
اے شمعِ یقینِ ضیاء الدینؒ اے نورِ جبین شہاب الدینؒ
اے رشکِ ضیائے شمس و قمر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
از بہر قاضی حمید الدینؒ اے فخرِ زمان اے فخرِ زمیں

ہو چشمِ کرم ہر دم مجھ پر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
دیجے بہ طفیل بدرالدّینؒ آسائش دنیا راحت دین
پورا ہو سوالِ دل مضطر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
موجود ترے دربار میں ہوں واللہ بڑی سرکار میں ہوں
رقصاں ہے نگاہِ شوق مگر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
مونہہ مانگی مرادیں ملتی ہیں حاجات کی کلیاں کھلتی ہیں
حاضر ہو جو تیرے مرقد پر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
کوئی بھی سوالی اے داتا اس در سے نہ خالی ہاتھ گیا
ہیں آپ بڑے بندہ پرور یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
باقی نہ رہی پھر فکر کوئی سب دور ہوئی پژمردہ دلی
بے ساختہ آیا جب لب پر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
کونین کی دولت اس کو ملے دارین میں سرافراز رہے
سر رکھّے جو تیرے قدموں پر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
درگاہِ معلّیٰ میں آکر دیکھا ہے عجب دلکش منظر
فردوس نما ہے آپ کا در یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
سرشارِ شراب الفت ہوں کیا حالِ دلِ وارفتہ کہوں
ہے میرا وظیفہ آٹھ پہر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ

سرکار سے ہر دم قُرب رہے مجھ کو وہ نشاط وصل ملے
خدمت میں رہوں میں شام و سحر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
دیدیجے نگاؔر کو نورِ نظر بر آئے مرادِ قلبِ ظفؔر
یہ نخلِ امید ہو بار آور یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ
ابرؔار علی کے دامن کو شاہا دُرِ مقصد سے بھر دو
حاصل ہو سکونِ قلب و جگر یا خواجہ حسنؒ یا خواجہ حسنؒ

حضرت قاضی حسام الدّین ملتانی
عرف حاجی جمال ملتاں صاحب سہروردی بدایونی

پیدائش: اغلباً بمقام ملتان قریباً وسط چھٹی صدی ہجری

وفات: قریباً وسط ساتویں صدی ہجری

آپ کا اسم مبارک قاضی حسام الدین ملتانی عرف حاجی جمال ملتاں ہے۔ بیعت وارادت کا تعلق سلسلۂ سہروردیہ سے رکھتے تھے۔ وطن مالوف ملتان تھا۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز اغلباً ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ میں حضرت خواجہ سیّد اعزالدین احمد یمنی بخاری سہروردی کے ہمراہ ملتان سے بدایوں تشریف لائے اور وہیں پر سکونت اختیار کی۔ بدایوں میں آپ کا مکان مسکونہ قلعۂ قدیم کے جنوبی کوٹ پر محلّہ سوتہ کی اس حد میں کہ جسے سیّدوں محلّہ کہتے ہیں واقع تھا۔ اس مکان کے شمال ومشرق میں قریب ہی سلطان شمس الدین التمش بزمانۂ نظامت بدایوں قیام پذیر رہے تھے۔ حاجی صاحب کے مکان کے شمال میں سَو ڈیڑھ سَو قدم کے فاصلہ پر حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب اور خواجہ بدرالدین ابوبکر موئے تاب کا مکان لب سڑک واقع تھا جنہوں نے حاجی جمال ملتاں صاحب سے علوم ظاہری کی تکمیل کی تھی۔

حاجی صاحب نے اپنے مکان سے متصل ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کی تھی جو اب تک قائم ہے جسے سیّدوں محلّہ والی مسجد کہتے ہیں اور جس کے

دروازے پر ایک کتبہ نصب ہے۔ اس مسجد کے سلسلے میں کنزُ التاریخ مُرتبہ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں لکھا ہے کہ اس مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ لگا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد بھی ایک عمارت معبد قدیم شروع آمد اہل اسلام کی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدّس اللہ سرّہٗ نے اس مسجد میں بیٹھ کر زمانہ طالب علمی میں مطالعہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک طاقچہ بطور چراغدان کے محراب درمیان میں جانب جنوب بنیاد سے دس گرہ بلندی پر اس وقت بنا ہوا ہے جس کو کہتے ہیں کہ وہ چراغ روشن کر کے مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور اب بھی اس کی برکت مشہور ہے کہ طلبا کند ذہن وہاں مطالعہ کریں تو ذہن کشادہ ہوتا ہے۔ کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل بانی حسام الدین تھے۔ بعدہٗ حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ نے درست کرایا۔ اس کے بعد مرتبہ سوم ۱۱۳۳ھ میں محمد منیر (قاضی محمد منیر حمیدی متوفی ۲۱ رمضان ۱۱۳۹ھ تلمیذ حافظ امان اللہ بنارسی و منصب دار عہد عالمگیری) نے تعمیر کیا۔ کتبۂ تاریخ یہ ہے:

بوداز قدیم بانیٔ مسجد حسامِ دیں — چوں کہنہ گشت ریختہ افتاد بر زمیں
زاں پس نظامِ دین بنا کرد از جدید — تا مدّت مدید فرو ماند ہم چنیں
بعد از وفات او چو محمد منیر ساخت — بیت العتیق خانۂ اسلام شد مُبیں
تاریخ سال اُوزِ خرد خواستم بگفت — "آرند صوفیان سرِ سجدہ بر زمیں"
۱۱۳۳ھ

ایک اور کتبہ محراب مسجد میں نصب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی مدام الدین صاحب نے اس مسجد کو ۱۲۷۵ھ میں از سرِ نو درست کرایا تھا۔ مصرعۂ تاریخ یہ ہے ع بنوائی مثال بیت الاقصا۔
۱۲ ھ ۷۵

آثار بدایوں مطبوعہ ۱۹۱۵ء کے مؤلف حافظ محمد فضل اکرم فرشوری نے اس مسجد کے سلسلے میں یہ تفصیل دی ہے کہ "کیا عجب ہے کہ اس مسجد کے بانیٔ اوّل شیخ حسام الدین بدایونی عرف حاجی جمال ملتاں رحمتہ اللہ علیہ ہوں جو کہ حضرت شیخ شاہی معروف بہ حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت بدرالدین معروف بہ شاہ ولایت صاحب کے استاد تھے اور ان کا مزار بدایوں میں محلّہ قبولپورہ سے غرب کو بلند جگہ پر بغیر حریم کے کُھلا ہوا واقع ہے۔ ان کی یہ مشہور خوارق دکرامات ہیں کہ مکّے میں اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور ایک متوفّی لڑکا ان کی دعا سے زندہ ہوگیا تھا۔ جو بچہ نہیں بولتا ہے یا اس کی زبان صاف نہیں ہوتی ہے یا کُند ذہن ہوتا ہے اس کو ان کی قبر کی مٹی کھلاتے ہیں۔ وہ صاف بولنے لگتا ہے اور ذہین ہو جاتا ہے۔"

خاکِ مزار کی برکت:۔ تذکرۃ الواصلین میں مذکور ہے کہ "آپ کے مزار کی مٹی کی یہ تاثیر ہے کہ لوگ دور دراز سے آتے ہیں اور پائینِ قبر کی خاک پاک لے جاتے ہیں اور جس کی زبان میں لُکنت ہوتی ہے اس کو چٹاتے ہیں۔ یہ برکت

اس خاک کے اور فضل خدا سے لکنت جاتی رہتی ہے۔ بعد برآنے مراد کے روٹی اور ایک کلہ گاؤ کا پکا کر مزار شریف پر فاتحہ دے کر تقسیم کرتے ہیں"۔ اس کے علاوہ تذکرۃ الواصلین کے مصنف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے ایک کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت حاجی حسام الدین صاحب جمال ملتانی نے بشارت دی کہ جو کوئی شخص ان کی قبر کے پاس سے گزر جائے گا انشاء اللہ تعالےٰ بہ برکت نزول اجلال حضرت رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس پر آتش دوزخ حرام ہوگی۔ سبحان اللہ کیوں نہ ہو۔ جس مقام پر رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم وضو فرمائیں اس مقامِ کے دیکھنے سے خداوند کریم مسلمانوں کو نجات بخشے گا۔ اس وجہ سے صدہا بزرگان دین اور خلق خدا دور دراز سے آکر مزار شریف کی زیارت کرتے ہیں

برزمینے کہ نشان کف پائے تو بُوَد　　سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود"

حضرت مولانا شاہ محمد دلدار علی مذاقؔ بدایونی المعروف بہ مذاق میاں صاحب بدایونی تیرھویں صدی ہجری کے اکابر عارفان حق سے ہیں جن کے نام، مرتبہ اور بزرگی سے ایک خلقت واقف ہے۔ بدایوں میں ان کا مزار خام ہے۔ انہوں نے وصیّت فرمائی تھی کہ ان کی قبر زمین کی سطح کے برابر اور خام رکھی جائے اور قبر پر حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزار مبارک سے مٹّی لا کر ڈالی جاتی رہے۔ چنانچہ اس وصیّت کے مطابق عمل درآمد برابر جاری رہا۔ آپ

کے مزار پر یہ مٹّی ڈالتے رہنے کے عمل کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ زائرین قبر مبارک سے تھوڑی سی مٹّی تبرّ کاً لے جاتے ہیں اور ہوا کی وجہ سے بھی مٹّی قبر پر سے کم ہوتی رہتی ہے جس کی بناء پر قبر پر ایک طرح کا نشیب ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مذاق میاں صاحب کے بڑے پوتے مولوی اخیار علی فائقؔ نے اپنی مرضی سے وہیں قریب سے مٹّی لے کر قبر پر ڈال دی۔ مذاق میاں کی منجھلی صاحبزادی شاہدہ خاتون اہلیہ مولوی سیّد عنایت احمد نقوی قُبائی دوران قیام بدایوں روزانہ بعد مغرب اپنے والد و مرشد کے مزار پر حاضری کے لئے اپنے گھر واقع محلّہ سیّد باڑہ سے درگاہ تک پیادہ پا جاتی تھیں۔ شاہدہ خاتون کے سب سے چھوٹے بیٹے سیّد سبط نبی نقوی جو ڈائرکٹر محکمۂ موسمیات پاکستان رہے، اسوقت ۳۔۴ سال کے تھے جن کا سال پیدائش ۱۹۰۷ء ہے مذاق میاں صاحب نے خواب میں آکر اپنے نواسہ سے یہ کہا کہ اپنی ماں سے کہنا ''اب وہ ہماری قبر پر نہ آئیں ، ہم یہاں سے چلے گئے ہیں'' نواسہ نے صبح کو ماں سے خواب کا ذکر کیا اور کہا کہ ابّا میاں یہ کہہ گئے ہیں۔ اس کے بعد دن چڑھے مذاق میاں کے صاحبزادے اور جانشین جدّی و مرشدی الحاج مولانا محمد ایثار علی شاہ عرف مولوی میاں صاحب حسب معمول اپنے مکان محلّہ قاضی ٹولہ سے منجھلی ہمشیرہ کے گھر سیّد باڑہ گئے۔ بہن نے بھائی کو دیکھتے ہی پہلی بات یہ کہی کہ ابّا میاں مزار سے چلے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مولوی میاں صاحب فوراً اُلٹے پانوں واپس گئے اور قبر پر سے قریب

سے لے کر ڈالی ہوئی مٹی کو نکلوایا اور حاجی جمال ملتان صاحب کے مزار کی مٹی منگوا کر مذاق میاں صاحب کے مزار پر ڈلوائی۔ اس روز پھر رات کو مذاق میاں صاحب نے اپنے نواسہ سے خواب میں آ کر یہ کہا کہ اپنی ماں سے کہنا ''اب ہم آ گئے ہیں''۔ سبحان اللہ کیا کہنا اُس مٹی کا اور کیا بات اس تعلق کی جو مذاق میاں صاحب کو حضرت حاجی جمال صاحب سے تھا۔

نسبت طریقت:۔ تاریخ فرشتہ کے حوالے سے بعد کے قریب قریب تمام تذکرہ نویسوں نے حاجی جمال ملتان صاحب کو حضرت شیخ صدرالدین عارف خلف الصدق و جانشین حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کا مرید لکھ دیا ہے جو کسی طرح سے قابل فہم اور درست نہیں کیونکہ حاجی جمال ملتان صاحب کا بدایوں پہنچ کر سکونت پذیر ہونا ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت بدایوں میں شمس الدین التمش کا عہد نظامت تھا اور یہ حضرت شیخ صدرالدین عارف ملتانی کی پیدائش سے بھی دس سال پہلے کی بات ہے۔ نیز حاجی صاحب کا بدایوں میں سکونت پذیر ہونے کے بعد کبھی ملتان جانے کا کوئی تاریخی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۶ھ مطابق ۱۲۶۷ء ہے۔ اٹھاسی ۸۸ یا سو سال عمر ہوئی۔ بعض تذکروں میں ان کا سال وفات ۶۵۶ھ، ۶۶۱ھ اور ۶۶۵ھ بھی دیا ہوا ہے۔ بہرحال شیخ صدرالدین ملتانی اپنے والد بزرگوار کے وصال کے بعد اٹھارہ سال صاحب سجادہ رہے۔ بیشتر

روایتوں کے مطابق ان کا صحیح سال ولادت ۶۱۱ھ اور سال وفات ۶۸۴ھ ہے۔ عمر ۷۳ سال ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق بعمر ۶۳ سال ۶۷۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ گلزار ابرار میں ان کا سال وفات ۷۰۹ھ لکھا ہے جو کسی طور پر درست نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو۔ بہر حال اس تفصیل کی روشنی میں یہ کہنا دشوار نہیں کہ حاجی جمال ملتاں صاحب شیخ صدرالدین ملتانی کے مرید نہیں تھے البتہ شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی کے مرید ہوں گے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ فرشتہ کی روایت کسی فرشتہ کا بیان نہیں جسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔

تحقیق سال وفات:۔ اس بات پر تواتر کے ساتھ اتفاق چلا آتا ہے کہ حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین صاحب کے وصال کے بعد اور حضرت خواجہ سیّد بدرالدین ابو بکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب کی رحلت سے پہلے حضرت حاجی جمال ملتاں صاحب کی وفات ہوئی۔ اس سلسلے میں کوئی واضح حوالہ نہیں ملتا۔ ہاں فوائد الفواد کی ایک روایت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ فوائد الفواد۔ جلد ۴ مجلس ۵۹ مورخہ ۱۸ محرم ۷۱۹ھ میں ہے۔ "چوں ذکر قاضی جمال ملتانی کردہ شد' فرمود کہ ایں بزرگ وقتے در خواب دید حضرت رسالت را صلّی اللہ علیہ وسلم در سواد بدایوں (بیرون شہر) گوئی در موضعے نشستہ وضوی سازند، چوں بیدار شد برفور بداں موضع برفت، زمیں ترشدہ دید، گفت گورِ من ہمیں جا بکاوید! چوں اُو وفات یافت ہمچناں کردند و ہم

درآں مقام دفن کردند"۔ ترجمہ: جب قاضی جمال ملتانی کا ذکر آیا تو آپ (حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی) نے فرمایا کہ ان بزرگ نے ایک بار خواب میں حضرت رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضورؐ بداؤں کے نواحی مقام گوئی میں ایک جگہ بیٹھے وضو فرما رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو فوراً اس جگہ گئے، دیکھا کہ وہاں پر زمین تر ہے اور انہوں نے کہا کہ میری قبر اسی جگہ پر کھودنا۔ جب انہوں نے وفات پائی تو ویسا ہی کیا گیا اور انہیں اسی جگہ پر دفن کیا۔

اس عبارت سے یہ مترشّح ہوتا ہے کہ حاجی جمال ملتاں صاحب کی وفات کے زمانے میں حضرت محبوب الٰہی صاحب بدایوں میں تھے اور ان کا سِن شعور ہوگا اور انہوں نے یہ تفصیل کسی راوی کی زبانی نہیں سُنی تھی جسے بیان فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب کا سال پیدائش مُحقّق طور سے ۶۳۱ھ ہے اور وہ ۲۵ یا ۳۰ سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے یعنی ۶۵۶ھ یا ۶۶۱ھ میں۔ چنانچہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس وقت حضرت محبوب الٰہی صاحب کی عمر ۱۵۔۲۰ سال کے قریب ہوگی اور ۶۴۶ھ اور ۶۵۱ھ کے درمیان کوئی سال حضرت حاجی جمال ملتاں صاحب کا سال وفات ہوگا۔ مذکورہ اسباب کے پیش نظر یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ ۶۴۷ھ یا ۶۴۸ھ میں سے کسی ایک سال کو حاجی جمال ملتاں صاحب کا سال وفات قیاس کریں۔ حاجی صاحب کا عرس مبارک [illegible] ہمیشہ سے ۱۱ رمضان کو ہوتا ہے اس لئے یہی تاریخ

وفات سمجھی جاتی ہے۔

مزار مبارک:۔ حاجی جمال ملتان صاحب کا مزار مبارک کلّے والی یا کلّے پیر والی زیارت کے نام سے مشہور ہے۔ بدایوں شہر کے مغرب میں بیرون شہر دریائے سوت کے مشرق میں حضرت بدرالدین شاہ ولایت صاحب اور حضرت خواجہ سیّد حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین صاحب کی زیارات کے درمیان میں ایک بلند چبوترہ پر مزار واقع ہے اور پختہ بہ شکل گو ہان بنا ہوا ہے۔ کسی زمانے میں مزار کے گرد حریم نبی ہوئی تھی، چھت وغیرہ نہیں تھی اور سرہانے کی طرف ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس سے گزرنا عام طور سے خصوصاً یوم عرس پر باعث خیر و برکت سمجھا جاتا تھا۔ امتداد زمانہ سے اس حریم کے نشان ناپید ہو گئے اور چبوترہ پر صرف کھلا مزار باقی رہ گیا ہے۔

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں ایک پنجابی نے مزار کے جانب شرق بگوشۂ شمال پختہ کنواں تعمیر کرایا۔

۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں مولوی علاؤالدین ڈپٹی کلکٹر بدایوں نے اس کنوئیں کے اوپر ٹین کا سائبان ڈلوایا اور اس کے قریب سقایہ بنوایا۔ اس کے علاوہ قناتی مسجد کی جگہ پر جست کی چادروں کا سائبان بنوایا اور چبوترہ کا فرش بھی درست کرایا۔

۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں سردار کرپال سنگھ نے جو موضع برائی لہرا

ضلع شاہجہاں پور کے ساکن تھے اپنے پسر گورو بچن سنگھ کی صحت یابی پر مزار کی نئی عمارت لنٹر کی چھت ڈلوا کر تعمیر کی۔

۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں صدیق عرف بلّو ٹیلر ماسٹر دہلوی نے مزار شریف کے چبوترہ کی توسیع کے ساتھ ساتھ مزار کے جنوب مغرب کی طرف قناتی مسجد کی جگہ پر ایک چھوٹی سی خوشنما مسجد چھت ڈال کر تعمیر کرائی۔

حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزار کے نام کوئی جائداد وغیرہ وقف نہیں۔ حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے خدّام پیرزادگان ہی میں سے وہاں کی خدمت اور مناسب طور سے دیکھ بھال کرتے ہیں۔

تصرّف کا ایک خاص واقعہ:۔ حاجی حکیم حافظ مجاہدالدین ذاکر بدایونی بانیٔ نبیؐ خانہ واقع کوچۂ متولیان محلّہ سوتہ بدایوں شہر کے متولّی خاندان کے ایک ممتاز و معزز فرد تھے۔ مرید و خلیفہ حضرت سیّد شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی کے تھے۔ ۱۲۶۹ھ میں حضور اچھے میاں صاحب مارہروی کے عرس کی تقریب میں اپنے پیرومرشد کے ارشاد پر انہوں نے مارہرہ شریف میں میلاد شریف پڑھا۔ اس موقع پر حضرت سیّد شاہ آلِ رسول صاحب پر ازحد رقّت و کیفیت طاری ہوگئی۔ میلاد شریف کے ختم کے بعد انہوں نے حافظ مجاہدالدین کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا دی ''اللہ تیرے پڑھنے میں برکت دے''۔ چنانچہ حافظ صاحب نے آئندہ

میلاد خوانی کے سلسلے کو قائم رکھنے کا مصمّم ارادہ کرلیا اور ایک عرصہ تک بدایوں کے مشاہیر بزرگوں میں سے کسی کے آستانہ پر جا کر ماہ ربیع الاوّل کے شروع میں بارہ روز تک میلاد شریف پڑھا کرتے اور جو تبرّک میسّر آتا اُسے فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیتے۔ اس طرح ۱۲۷۰ھ سے میلاد خوانی کے عمل کا آغاز کیا۔ نبیؐ خانہ بدایوں کی محافل میلاد ۱۲۷۰ھ تا ۱۳۴۵ھ کے مفصّل حالات پر مشتمل شاہ طفیل احمد متولّی بدایونی کی تصنیف بنام تاریخی تذکرۂ طیّب میں ہے کہ ۱۲۷۱ھ میں حافظ مجاہد الدین نے حضرت حاجی جمال ملتاں صاحب قدس سرہ العزیز کے آستانہ پر گزشتہ سال کی طرح حسب معمول بارہ روز تک میلاد کی محفلیں منعقد کیں۔ اس سال ایک محفل میں مولوی سیّد محمد فرزند ولایتی بھی شریک محفل تھے جو ایک عارف باللہ تھے۔ اثنائے نعت خوانی میں ان کو وجد آ گیا۔ بعد افاقہ کے انہوں نے حافظ مجاہد الدین سے فرمایا "جا قائم ہو گئیں تیری محفلیں"۔ اس واقعہ کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حاجی جمال ملتاں صاحب کی توجہ اور فیض و تصرّف سے ان بزرگ نے یہ پیش گوئی فرمائی جس کی سچائی اس طرح ثابت ہوئی کہ آئندہ تھوڑے عرصہ بعد ہی نبیؐ خانہ کا قیام باقاعدہ ظہور میں آیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں حافظ صاحب نے ایک وسیع مکان مع جائداد کے نبیؐ خانہ کے نام پر وقف کیا جہاں نہایت ادب و اہتمام کے ساتھ یکم ربیع الاوّل سے بارہ ربیع الاوّل تک روزانہ

صبح کے وقت بڑی دھوم دھام سے باقاعدہ میلاد شریف کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں جن میں لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے اور ختم پر شیرینی کا تبرّک تقسیم کیا جاتا۔ حافظ صاحب کا انتقال ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۱۶ء شب پنجشنبہ میں بمقام بدایوں ہوا اور حسب وصیّت بگوشہ شمال ومشرق صحن نبیؐ خانہ میں دفن کیئے گئے۔ ان کے صاحبزادہ حکیم کفیل الدین عالؔی کا نتیجہ فکر تاریخ کا سنگین کتبہ "مزار اقدس ذاکر" سرہانے کی طرف نصب ہے۔

۱۳ ھ ۳۴

حضرت حاجی جمال ملتاں صاحب کے سوانح حیات سے متعلق تاریخی طور پر اس سے زیادہ معلوت کا فراہم ہونا محال ہے چنانچہ آپ کے حسب ونسب، اب وجد کے اسماء، تحصیل وتکمیل علوم، اساتذہ اور اقارب واحباب کے بارے میں کچھ آگاہی ممکن نہیں البتہ آپ کے فیوض وکرامات کی تفصیل جو کم وبیش ساڑھے سات سو سال پر محیط ہے تواتر کے ساتھ زبانِ خَلق پر چلی آتی ہے۔

حضرت قاضی حمیدؒ الدین ناگوری

حضرت سلطان العارفین صاحب کے مرشد گرامی

اسم گرامی محمد بن عطاء ہے۔ اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ہمراہ وطن اصلی بخارا سے سلطان مُعز الدین سام ملقّب بہ شہاب الدین محمد غوری کے زمانے میں دہلی تشریف لائے۔ تھوڑے عرصہ بعد آپ کے والد نے دہلی میں وفات پائی۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ناگور علاقہ

مارواڑ کا عہدۂ قضاۃ آپ کے نام زد ہوا۔اسی وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ قاضی اور ناگوری لکھا چلا آتا ہے۔عہدۂ قضاۃ پر فائز ہوئے تین سال گزرے تھے کہ خواب میں حضرت رسالت پناہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اشارۂ ہدایت پر اس عہدے سے کنارہ کش ہو کر سیاحت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بغداد پہنچ کر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔حضرت شیخ الشیوخ کے بڑے درجہ کے خلفاء میں آپ کا شمار ہے۔ ایک عرصہ مرشد کے ساتھ رہ کر سفر و حضر میں بہت خدمت گزاری کی۔انہی دنوں میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی سے ملاقات ہوئی اور دونوں میں باہم ایسا اخلاص و محبت کا تعلق قائم ہوا کہ پھر تا زیست ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔آخر مرشد کی اجازت سے بغداد سے مدینہ منوّرہ پہنچے اور ایک سال یا ایک سال دو مہینے سات دن تک روضۂ اطہر نبویؐ میں مجاوری کی۔ اس کے بعد مکہ معظّمہ جا کر تین سال رہے، خزینۃ الاصفیا میں مدینہ منورہ کا قیام تین سال اور مکہ معظّمہ کا قیام دو سال لکھا ہے۔غرض ایک عرصہ سیاحت کے بعد دہلی آئے اور تادم آخر وہیں پر رہے۔

مشائخ متقدمین میں بڑے بڑے صاحبان علم آپ کی علمی بزرگی کے معترف چلے آئے ہیں۔آپ کا علمی مرتبہ نہایت بلند تھا۔تحصیل و تکمیل علم آپ نے اغلباً بخارا اور بغداد میں کی۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے تھے کہ

حال اور کمال جو شیخ حمید الدین ناگوری کو دربار الٰہی سے عطا ہوا تھا وہ ہر شخص کو میسر نہ آیا۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں جو عشق و محبت کی باریکیوں سے لبریز ہیں۔ ان میں سے بحر عشق، لوائح اور طوالع الشموس مشہور ترین ہیں۔ طوالع الشموس میں اسماء حسنیٰ کی شرح میں بڑے بڑے بلند اور لطیف نکات بتائے گئے ہیں۔ اس تصنیف کے اقتباسات منجملہ مختلف مصنفین کے شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اخبار الاخیار میں دیئے ہیں۔

فوائد الفواد میں ہے قاضی حمید الدین مار ... کا ذکر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرمانے لگے، وہ کہتے تھے کہ میں اس شہر میں قاضی حمید الدین ناگوری کا اشتیاق لے کر آیا تھا لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ایک دن انہوں نے قاضی حمید الدین ناگوری کے مجموعات طلب کئے اور وہ کتابیں جو انہوں نے سلوک و تصوف پر لکھی تھیں مطالعہ کرنے لگے۔ جب وہ ان کا مطالعہ کر چکے تو ان طالب علموں کی طرف متوجہ ہوئے جو ان کے ارگرد حاضر تھے اور ان سے کہنے لگے کہ جو کچھ تم پڑھتے ہو سب ان اوراق میں ہے اور جو کچھ تم نے نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان اوراق میں ہے اور جو کچھ میں نے پڑھا ہے تم نے نہیں پڑھا وہ بھی ان اوراق میں ہے اور جو کچھ میں نے نہیں پڑھا وہ بھی ان اوراق میں ہے۔ مولانا قطب الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین ناگوری کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں۔ ایک روز انہوں

نے قاضی حمید الدین ناگوری کی تمام تصانیف منگوا کر پڑھیں اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا اے یارو جو کچھ ہم نے اور تم نے پڑھا ہے وہ سب ان رسالوں میں موجود ہے اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان کتابوں میں موجود ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوری سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے۔ اس وجہ سے علماء ظاہر نے ان کے خلاف سخت فتوے دیئے اور بیحد مخالفت کی۔ اس کے باوجود قاضی صاحب کا سماع کا ذوق وشوق شدّت سے قائم رہا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی صاحب فرماتے تھے کہ دہلی میں سماع کا سکّہ قاضی حمید الدین ناگوری نے چلایا۔ سبع سنابل میں ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک چڑیا دیکھی کہ جس کی چونچ میں بارہ سوراخ ہیں اور ہر سوراخ سے جدا جدا آواز آتی ہے آپ نے جب اس کی آواز سنی تو مست وبیخود ہو کر رقص فرمانے لگے۔ حضرت خوجہ نظام الدین اولیا کی ایک مجلس میں شیخ فرید الدین قدس سرہٗ اور سماع سے اُن کے ذوق کا ذکر ہوا۔ آپ نے فرمایا ایک دفعہ آپ (شیخ فرید الدینؒ) نے سماع سننا چاہا' قوال موجود نہ تھا۔ آپ نے بدرالدین اسحٰق سے کہا وہ مکتوب جو قاضی حمید الدین ناگوری نے ارسال کیا تھا لاؤ۔ بدرالدین گئے اور وہ تھیلا جس میں مکتوبات رکھے جاتے تھے لاکر آپ کے سامنے رکھ دیا پھر انہوں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے وہی مکتوب ہاتھ میں آ گیا۔ آپ نے وہ مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں پیش

کیا۔ بابا فرید الدین نے فرمایا اسے پڑھو۔ بدر الدین کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس مکتوب کو پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ "حقیر فقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں ہے اور سر آنکھوں سے ان کے قدموں کی خاک ہے"۔ شیخ فرید الدین نے اتنا ہی سنا تھا کہ ان کے اندر ایک وجدانی کیفیت اور ذوق پیدا ہو گیا۔ سبع سنابل میں ہے سلطان التمش نے ایک دفعہ امساک باراں سے تنگ آ کر دعائے باراں کی استدعا کی۔ قاضی حمید الدین نے کہا کہ درویش کی دعوت کرو اور اہل سماع کو لاؤ۔ جب درویش سماع سنیں گے تو شاید نزول باراں ہو جائے۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ جب درویش سماع میں مشغول ہوئے تو ابر پیدا ہوا اور بارش شروع ہو گئی اور اس قدر ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے فرمایا ہے کہ میں نے بارہا ان دو تربتوں کے درمیان' پایان شیخ الاسلام قطب الدین اور قاضی حمید الدین کے سر کی سمت میں نماز ادا کی ہے۔ حد سے زیادہ ذوق و راحت کو پایا۔ پھر فرمایا کہ مکان کا اثر کیا ہے البتہ ان دو بزرگوں کا اثر ہے۔ ایک طرف ایک بادشاہ اور دوسری طرف دوسرا بادشاہ۔

قاضی حمید الدین ناگوری بہت کم کسی کو مرید کرتے تھے۔ مصنف خزینۃ الاصفیا اور بعض دوسرے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب نے تمام عمر میں صرف تین مرید کیے۔ یہ بات درست نہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ بہت کم

مرید کئے اور جتنے مرید کئے ان سب کو نہایت بلند مرتبوں تک پہنچایا۔ مرید و خلیفہ کی حیثیت سے مع آپ کے فرزند کے اسماء ذیل مذکور ہوئے ہیں:

(۱) **شیخ ناصح الدین سہروردی فرزند و سجادہ نشین قاضی حمید الدین ناگوری۔** دہلی میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مزار دہلی میں ہے۔

(۲) **شیخ احمد نہروال** مزار بدایوں میں ہے۔

(۳) **شیخ محمود موئینہ دوز** مزار مہرولی دہلی میں ہے۔

(۴) **شیخ عین الدین قصّاب** مزار دہلی یا لاہور میں ہے۔ سیف زبان تھے جو زبان سے نکل جاتا وہی ہو جاتا تھا۔ زُہد و ریاضت اور کشف میں ثانی نہیں رکھتے تھے۔

(۵) **شیخ شاہی موئے تاب خواجہ سید حسن** مزار بدایوں میں ہے۔ آپ کے تصرّفات و مکاشفات اور کرامات کا شہرہ عالم میں ہر طرف ہے۔ ایک خلقت ان کے مزار پر حاضر ہوتی ہے۔

(۶) **شیخ سعد الدین تنبولی** مزار مہرولی دہلی میں ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کے بھانجے تھے۔

وفات:۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے تو روح نے عالم بالا کی طرف پرواز کی۔ سال وفات سے متعلق کئی روایتیں ہیں لیکن اصح ۹ رمضان ۶۴۵ھ ہے کیوں کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے وصال ۶۳۵ھ کے دس سال بعد تک بقید حیات

رہے ۔مزار قاضی حمید الدین ناگوری کا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کے مزار کے پائین کی سیدھ میں چند گز کے فاصلہ پر صُفۂ بلند پر ہے ۔ قاضی صاحب کی وصیّت خواجہ قطب الدین کے پائین میں دفن کرنے کی تھی ۔لیکن قاضی صاحب کی اولاد نے یہ پسند نہ کیا کہ فرش زمین پر ان کی قبر بنائی جائے اس لئے اونچائی پر قبر بنائی ۔حالانکہ قاضی حمید الدین ناگوری نے ایسا نہیں چاہا تھا۔

حضرت خواجہ سیّد قطب الدین بختیار کا کی اوشی

بختیار نام، قطب الدین لقب تھا۔عرف عام میں کا کی کہلاتے تھے۔ نسباً حُسینی سادات سے حضرت امام جعفر صادق کی اولاد میں تھے ۔قصبۂ اوش ماوراالنہر جو سمرقند اور چین کے درمیان ولایت فرغانہ میں ہے آپ کا مولد ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں بغداد سے شیخ جلال الدین تبریزی کی رفاقت میں ہندوستان آئے ۔اولاً تھوڑے عرصہ ملتان میں رہے پھر وہاں سے دہلی آکر کیلوکھڑی میں مستقل قیام فرمایا۔

ڈیڑھ یا ڈھائی سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے آپ کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دیا۔چار سال چار مہینے چار دن کی عمر میں بسم اللہ یعنی مکتب کی تقریب اُوش میں ہوئی ۔حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی بسم اللہ کی تقریب کے سلسلے میں اُوش میں پہلے سے موجود تھے کہ بحکم غیبی قاضی حمید الدین ناگوری بھی وہاں پہنچ گئے ۔خواجہ

بزرگ قاضی صاحب کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو گئے اور بسم اللہ خوانی کی تختی قاضی صاحب کے ہاتھ میں دی۔ قاضی صاحب نے بسم اللہ پڑھانے کے بعد خواجہ بزرگ سے کہا کہ آپ ان کی پرورش و تربیت فرمائیں اور وہ خود واپس تشریف لے گئے۔

خواجہ قطب صاحب کی عمر ۱۷ یا ۲۰ سال تھی جب انہوں نے مسجد ابواللّیث سمرقندی بغداد میں حضرت خواجہ بزرگ سید معین الدین چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا اور خرقہ خلافت پایا۔ آپ خلیفہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی کے ہیں۔ ظاہری علم کی تحصیل و تکمیل کے سوا باطنی آداب و سلوک کی تعلیم بھی مکمل طور سے حاصل کی۔ فقر و فاقہ اور توکل و قناعت کے اوصاف سے موصوف تھے۔ یاد مولیٰ میں استغراق کامل حاصل تھا۔ اوائل عمر سے مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے۔ بارگاہ جناب رسالت میں رسوخ کامل کی سعادت سے بہرہ ور تھے۔ ابتداء میں نیند کے غلبہ سے تھوڑا سو لیتے مگر بستر نہیں لگاتے تھے۔ آخر میں اس قدر مشغول بہ حق رہنے لگے کہ سونا ترک کر دیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ اگر کسی وقت سوؤں تو زحمت و رنج محسوس ہوتا ہے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ ہمعصر اکابر اولیا و اصفیا آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت قطب صاحب نے اسرار الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہیئے تا کہ اسرار فاش نہ ہونے پائیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ سید قطب الدین بختیار سے سیرُ الاولیا میں منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ایکبار میں اور قاضی حمید الدین ناگوری ہمسفر تھے۔ جب ایک دریا کے قریب پہنچے تو مجھے بھوک لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک بکری دو روٹیاں منہ میں لئے ہوئے ظاہر ہوئی۔ وہ آئی اور اس نے وہ روٹیاں میرے سامنے رکھدیں اور واپس چلی گئی۔ ہم نے ان روٹیوں کو کھایا اور دل میں کہا کہ یہ بکری غیب سے آئی تھی۔ اس دوران میں ایک بچھو دریا کے نزدیک پہنچا اور اپنے آپ کو پانی میں ڈال کر چلنے لگا۔ ہم سوچ بچار میں پڑ گئے اور ہم نے کہا کہ اس کے اندر کوئی حکمت ہے۔ آؤ ہم بھی اس بچھو کے پیچھے دعا کرتے ہوئے چلیں۔ اللہ کے حکم سے دریا دوشق ہوا یعنی پانی ادھر ادھر ہو گیا اور درمیان میں خشک زمین ظاہر ہوئی ہم اس پر سے چلے تو ایک درخت کے نیچے کسی رستہ چلتے آدمی کو سوتے ہوئے دیکھا اور ایک سانپ آیا کہ اس آدمی کو ڈس کر مار ڈالے' اس بچھو نے اچھل کر اس سانپ کو ڈنک مار کے مار ڈالا اور پھر وہ ہمارے سامنے سے غائب ہو گیا۔ خیال آیا کہ نزدیک جا کر اس آدمی کے بارے میں معلوم کریں شاید وہ کوئی بزرگ ہوگا۔ کیا دیکھا کہ وہ آدمی شراب کے نشے میں دُھت قے کر کے پڑا ہوا ہے۔ ہمیں شرمندگی اور تعجب ہوا کہ خدائے تعالیٰ ایسے نافرمان آدمی کی اپنی رحمت سے حفاظت کر رہا تھا۔ اس اثناء میں غیب سے آواز آئی۔ اے عزیزو اگر ہم صرف ان ہی تمام نیکوں اور پارساؤں کو مہربانی

سے دیکھیں اور نگاہ میں رکھیں تو ان بگڑے ہوئے خراب حال گناہگاروں کو مہربانی سے کون دیکھے گا۔ ہم اسی سوچ میں پڑے تھے کہ وہ آدمی جاگ گیا۔ ہم نے اس سے پوری کیفیت بیان کی۔ وہ نادم ہوا۔ اس فعل سے اس نے توبہ کی اور واصلان حق سے ہوا یعنی بہت بڑا بزرگ ہو گیا۔ اس موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار نے یہ بات کی کہ ''جب کسی وقت کبھی نسیم لطف وکرم چلنے لگتی ہے تو ہزار ہا شرابیوں اور جواریوں کو صاحب سجّادہ بنا دیتی ہے اور اگر اتفاقاً کبھی قہر کی ہوا چلتی ہے تو ہزار ہا سجّادہ نشینوں کو خرابات میں ڈال دیتی ہے۔''

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی سے حضرت سلطان العارفین خواجہ حسن شیخ شاہی کو خاص قربت حاصل تھی، یقیناً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شیخ شاہی نہایت محبوب مرید وخلیفہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے۔ روایت ہے کہ دہلی میں قاضی حمید الدین ناگوری نے جب شیخ شاہی کو خرقۂ خلافت پہنایا اور اسی لباس میں خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اوشی کی خدمت میں جانے کے لئے کہا تو شیخ شاہی اس طرح جانے سے اپنے دل میں کچھ شرم سی محسوس کر رہے تھے۔ آپ کے مرشد دل کی اس بات سے آگاہ ہوئے اور فرمایا کہ شاہی روشن ضمیر کا یہی لباس ہوتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ شاہی کا لقب روشن ضمیر پڑ گیا۔ الغرض شیخ شاہی روشن ضمیر جب خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کے حضور میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی ''سلطان العارفین''

کہہ کر نزدیک بلایا اور خوب خوب دعائیں دیں۔ اس بناء پر آپ کو سلطان العارفین کہا جانے لگا۔

سلطان العارفین صاحب کے دو چھوٹے بھائیوں میں خواجہ عثمان منجھلے تھے اور خواجہ بدرالدین ابوبکر چھوٹے تھے۔ خواجہ عثمان یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے بڑے بھائی کے صاحب سجّادہ ہوں لیکن سلطان العارفین صاحب نے اس سعادت اور منصب کے لئے سب میں چھوٹے بھائی بدرالدین ابوبکر کا انتخاب فرمایا اور منجھلے بھائی خواجہ عثمان سے فرمایا کہ تمہیں میرے پہلو میں وفات کے بعد جگہ ملے گی یعنی تمہاری قبر میری قبر کے برابر ہوگی۔ آخر میں یہ فرمایا کہ تم دونوں میرے انتقال کے بعد دہلی جا کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہونا اور وہ اس سلسلے میں جو کچھ فرمائیں اسے راضی خوشی سے قبول کرنا۔ چنانچہ سلطان العارفین صاحب کی وفات کے بعد آپ کے یہ دونوں بھائی وصیّت کے مطابق خواجہ قطب صاحب کی خدمت میں دہلی گئے۔ جب آمنا سامنا ہوا تو خواجہ قطب صاحب نے فرمایا ''بیا بدرالدین صاحب ولایت بدایوں'' اور خواجہ عثمان سے کہا ''تم اپنے بھائی کے کہنے پر قائم رہو، تم ان کے پہلو میں دفن ہوگے''۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے شیخ بدرالدین صاحبِ ولایت کو سلسلۂ چشتیہ کی نعمت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اسی وجہ سے شیخ بدرالدین ابوبکر کو شاہ ولایت کہہ کر یاد کیا جاتا ہے

اور آپ سہروردی چشتی ہیں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی بیان فرماتے کہ ''میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کی زیارت کو گیا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ جو شخص بزرگوں کی زیارت کو آتا ہے ان کو بھی اس شخص کے آنے کی کوئی خبر ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ بات میرے دل میں آئی گئی سی ہوئی اور میں روضہ کے قریب مشغول ہوا۔ اس مشغولی کے دوران روضۂ متبرّکہ یعنی مزار مبارک سے آواز کے ساتھ یہ شعر سُنا ؎

مَرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گرتو آئی بہ تن

ترجمہ: مجھ کو اپنی طرح سے زندہ سمجھ، بس فرق یہ ہے کہ میں جان سے آتا ہوں اور تو جسم سے آتا ہے۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سے روایت ہے کہ عید کا دن تھا۔ شیخ قطب الدین بختیار عید گاہ سے واپسی میں اس جگہ پر آئے جہاں اب ان کا مزار مبارک ہے۔ اس جگہ ویران زمین تھی۔ نہ قبریں تھیں نہ کوئی گنبد وغیرہ۔ شیخ اس مقام پر پہنچ کے دیر تک کھڑے رہے اور کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ جو لوگ ساتھ تھے ان میں سے کسی نے عرض کیا' آج عید کا دن ہے لوگ منتظر ہوں گے کہ مخدوم مکان پر پہنچیں اور کھانا کھائیں۔ آپ اس جگہ پر کیوں رک گئے ہیں اور کس سوچ میں ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین

سے دلوں کی خوشبو آرہی ہے۔ پھر اسی وقت وہ زمین اس کے مالک کو بلوا کر اپنے پیسے سے خرید لی اور فرمایا میرا مدفن یہیں پر ہو۔ اس بات پر حضرت سلطان المشائخ آبدیدہ ہوئے اور یہ کہنے لگے کہ شیخ نے بوئے دِلہا یعنی دلوں کی خوشبو فرمایا، دیکھو اس مقام پر کیسے کیسے بڑے بزرگ آرام فرما ہیں۔

شیخ علی سنجری کے یہاں مجلسِ سماع تھی جس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی شریک تھے۔ قوالوں نے حضرت احمد جام پیل کی اس غزل سے سماع کا آغاز کیا ؎

منزلِ عشق از مکان دیگراست　　مردِ ایں رہ را نشان دیگراست

اور جب یہ شعر پڑھنے لگے ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جان دیگراست

ترجمہ: خنجر تسلیم و رضا سے شہید ہونے والوں کو ہر ساعت لمحہ غیب سے ایک نئی جان یعنی زندگی ملتی رہتی ہے۔ اس شعر نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو اپنی گرفت میں ایسا لے لیا کہ آپ پر عجب بے ہوشی اور حیرت سے لبریز حالت وجد طاری تھی۔ چنانچہ یہی شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا رہا۔ مصرعۂ اوّل پڑھا جاتا تو آپ کی روح پرواز کر جاتی اور مصرعۂ ثانی پر پھر زندگی کے آثار ظاہر ہوتے البتہ اس مدہوشی اور تحیرّ کے عالم میں بھی آپ وضو کر کے وقت پر نماز ادا کرتے اس کے بعد پھر اسی حالت وجد کی گرفت میں آجاتے۔ آخر اسی کیفیت

میں آپ کو اپنے مکان پر لے آئے۔ جب اس کیفیت کو چار شبانہ روز گزر گئے، پانچویں رات آئی تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے قوالوں کو صرف ''کشتگان خنجر تسلیم را'' کی تکرار پر روک دیا۔ اس صورت حال کو پانچویں رات تھی کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی واصل بحق ہوئے۔ اسی لئے آپ کو ''شہید المحبّت'' کہا گیا۔ علاوہ ازیں آپ کو قطب الاقطاب۔ قطب الاسلام۔ رئیس السالکین۔ برہان الحقیقت۔ شیخ الاسلام اور سلطان الطّریقت کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ رحلت کے وقت آپ کا سرِ اقدس قاضی حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدرالدین غزنوی کے آغوش میں تھے۔ آپ کا مزار مبارک مہرولی شریف دہلی میں مرجع انام ہے۔

حسب وصیّت خواجہ قطب صاحب کا مزار زمین کے برابر رکھا گیا۔ فرمایا تھا نشان نہ رکھا جائے۔ بابا صاحب ہانسی سے واپس آئے تو مراقبہ کے بعد اجازت ملی کہ بابا عصر و مغرب کے درمیان جتنی شمسی تالاب سے لاکر مٹّی ڈال سکتا ہے ڈال دے۔ چنانچہ ٹوکریوں کے اوندھانے کے نشانات ابھی تک ویسے ہی موجود ہیں۔ بابا صاحب مالن دروازے سے شمسی تالاب آئے گئے خواجہ محمود موئینہ دوز کے مزار کے آگے سے۔ (بروایت۔ ماسٹر محمد عالم صاحب دہلوی از خاندان خدّام آستانہ خواجہ قطب صاحب مہرولی شریف)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بزرگ خلفاء میں بابا خواجہ شیخ

فرید الدین مسعود گنج شکر ۔ شیخ بدرالدین غزنوی ۔ شیخ ضیاء الدین رومی۔ شاہ خضر قلندر۔ شیخ نجم الدین قلندر۔ شیخ صوفی بدھنی۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤیّد اور شیخ بدرالدین ابو بکر موئے تاب برادر شیخ شاہی موئے تاب کے اسمائے گرامی خاص طور پر مشہور ہیں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی نماز جنازہ سلطان شمس الدین التمش نے پڑھائی تھی یہ بات قطعاً درست نہیں اور یہ حکایت موضوع اور ناقابل اعتبار ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ خواجہ قطب صاحب کا وصال ان کے مرشد خواجہ معین الدین چشتی کی وفات کے تقریباً ایک سال بعد ہوا اور خواجہ بزرگ کی وفات کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا۔ خواجہ بزرگ کی وفات ٦ رجب ۶۳۳ھ کو ہوئی۔ سلطان شمس الدین التمش کا انتقال بھی اسی سال میں ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو ہوا۔ خواجہ قطب صاحب نے اپنے مرشد کا صرف ایک عرس کیا۔ عرس کی تقریب سالانہ ہوتی ہے یعنی خواجہ بزرگ کا پہلا عرس ماہ رجب ۶۳۴ھ میں ہوا۔ خواجہ قطب صاحب کی تاریخ وفات ۱۴ ربیع الاوّل ہے یعنی ۶۳۳ھ اور ۶۳۴ھ میں آپ بقید حیات تھے۔ اس لئے ۶۳۵ھ ہی کا ۱۴ ربیع الاوّل آپ کی صحیح تاریخ وفات ہے۔ سلطان شمس الدین التمش کا انتقال خواجہ قطب صاحب کی وفات سے تقریباً ایک سال ٦ ماہ اور ۲۴ دن پہلے ہو چکا تھا۔

تفصیل ذیل لفظ بہ لفظ محبّی ماسٹر محمد عالم صاحب کے بیان پر مبنی ہے

جو آستانہ حضرت قطب صاحب کے خدّام کے خاندان سے مہرولی شریف دہلی کے رہنے والے تھے۔ گورنمنٹ پرائمری اسکول کراچی میں ٹیچر رہے اور ہیڈ ماسٹری سے ریٹائر ہوئے۔ راقم حروف کے مخصوص احباب میں تھے۔ تقریباً ۹ سال قبل ملیر کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

کاکی:۔ کاک۔ ترکی زبان میں روٹی کو کہتے ہیں۔ لقب کاکی خواجہ قطب الدین بختیار کا جزوِ نام ہے۔ اس کے متعلق تین روایتیں سنی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اولیا مسجد میں بہت سے بزرگوں کی مجلس ہو رہی تھی جن میں خواجہ غریب نواز، خواجہ قطب صاحب اور بابا صاحب بھی تھے۔ آسمان سے کاک سے بھرا ہوا ایک خوان آیا۔ تمام بزرگوں نے ہاتھ بڑھائے کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ خواجہ غریب نواز نے خواجہ قطب صاحب کو جو سب سے آخر میں جوتیوں کے پاس بیٹھے تھے اس طرح مخاطب کیا ''حاجو بابا تم بھی ہاتھ بڑھاؤ''۔ خواجہ قطب صاحب نے ہاتھ بڑھایا تو قدرتِ خدا سے خوان آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔ خواجہ غریب نواز نے تقسیم کرنے کے لئے فرمایا۔ آپ خوان پوش میں ہاتھ ڈال ڈال کر ایک ایک عدد کاک سب حاضرین کو دیتے گئے۔ اخیر میں دو شخص رہ گئے۔ بابا صاحب اور خواجہ قطب صاحب' ایک خوان پکڑنے والے' دوسرے بانٹنے والے۔ خواجہ قطب صاحب نے جب اس خوان پوش میں ہاتھ ڈالا تو صرف ایک کاک تھا۔ آپ نے اس کے دو حصّے کئے۔ ایک حصہ آدھا

کاک خود لیا، باقی آدھا بابا صاحب کو دیا اور فرمایا ''بابا تو خیال نہ کیجو کہ آدھا کاک ملا بلکہ آدھا پنجاب تجھے دیا''۔

چھڑیوں کا میلہ:۔ خواجہ قطب صاحب نے صرف ایک عرس کیا اپنے پیر و مرشد کا اور دہلی سے اجمیر تک پا پیادہ جلوس کے ہمراہ گئے۔ اس کے بعد پردہ فرمایا۔ یہ بات خدّام آستانہ شریف خواجہ قطب صاحب کے خاندان میں صدیوں سے سینہ بہ سینہ پشت در پشت صحیح اور متواتر روایت کے طور پر چلی آتی ہے۔

خواجہ قطب صاحب کے مزار کے آس پاس مہرولی کے جنگل میں زائرین عُشّاق جن میں عورتیں زیادہ ہوتی ہیں، مرد بھی ہوتے ہیں جمادی الثانی کے مہینے میں جگہ جگہ سے آ کر جمع ہوتے ہیں جو ایک میلہ سا لگتا ہے۔ اسے ''میندنی پڑی ہے'' کہتے تھے۔ میلہ سے میندنی بنی ہے۔

حضرت خواجہ قطب صاحب کے آستانے کے مغربی دروازے اور بہادر شاہ کے محل کے درمیان سامنے ۱۶ جمادی الثانی کو لیبرَ کھڑا ہو گیا یعنی جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ لوگ ڈفلیاں بجاتے اور گاتے۔ رات بھر چڑھاوے چڑھاتے اور اس طرح کے گیت گاتے تھے ؎

سیڑھی در سیڑھی خواجہ مالن بیٹھی پھولوں چھائی اجمیر خواجہ
سیڑھی در سیڑھی خواجہ تنبولن بیٹھی پانوں چھائی اجمیر خواجہ

اسی طرح کے بہت سے گیت ہوتے تھے جن میں زیادہ تر گیت خواجہ قطب صاحب

کے مرشد خواجہ غریب نواز کی شان میں ہوتے تھے۔

۱۷ جمادی الثانی کو جھنڈے ایک ساتھ اُکھاڑ لئے جاتے ہیں۔ ان جھنڈوں کو اٹھا کر اولیاء مسجد تک جلوس کی شکل میں پورا میلہ ساتھ جاتا ہے۔ وہاں مسجد میں بیٹھ کر خواجہ غریب نواز کا فاتحہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مہرولی سے گوڑ گانواں چھاؤنی والی سڑک پر چھاؤنی پہنچتے۔ اس کے بعد ریواڑی، باندیکوئی، جے پور وغیرہ ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچ کر درگاہ میں بلند دروازے کے مقابل جھنڈا گاڑا جاتا ہے۔

۲۵ جمادی الثانی کو جھنڈا لانے گاڑنے والے ہی اس کے آگے قوالی وغیرہ کرنے والے ہوتے ہیں جو چھَیلَب دار کہلاتے تھے۔ اسی کو چھڑیوں کا میلہ کہتے ہیں۔

حضرت خواجہ بابا فریدالدین گنج شکر

خلیفۂ بزرگ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی کے ہیں اور مجاز مطلق ہیں۔ اپنے دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بھی کامل نعمت باطنی پائی تھی۔ اسم گرامی مسعود ہے اور لقب فریدالدین ہے مگر عام طور سے بابا فرید گنج شکر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام جمال الدین سلیمان ہے جو قاضی محمد شعیب کے بیٹے تھے۔ سلسلۂ نسب درمیان میں شاہ کابل فرّخ شاہ اور سلطان ابراہیم بن اَدہَم اور آخر میں حضرت سیّدنا عمر فاروق

سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا قاضی محمد شعیب اپنے تین بیٹوں اور دیگر متعلقین کے ہمراہ کابل سے لاہور آئے۔ پھر کچھ دن قصور اور ملتان میں رہ کر کوٹھے وال (کچّے مکان والا) آ گئے جسے اب چاولی مشائخ کہتے ہیں اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ اسی جگہ ۵۷۶ھ میں حضرت بابا فرید الدین مسعود المعروف بہ گنج شکر کی ولادت ہوئی۔

گنج شکر کے عرف کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے اور اس سے متعلق کئی روایتیں ہیں۔ (۱) آپ اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں زیر تربیت تھے اور چھ سات دن سے متواتر روزے رکھ رہے تھے۔ ایک روز اتفاقاً افطار کے وقت کسی جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا اور آپ زمین پر گر پڑے کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی مگر خدا کی قدرت سے شکر بن گئی۔ جب مرشد کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ہمیشہ شکر کی مانند شیریں رہو گے۔ اس کے بعد آپ گنج شکر مشہور ہو گئے۔ (۲) ایک بار اسی طرح متواتر روزے رکھ رہے تھے اور ایک دن افطار کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ بھوک سے اضطرابی کی حالت میں رات کو سنگریزے منہ میں رکھ لئے جو شکر ہو گئے۔ مرشد کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا "فرید گنج شکر" ہے۔ (۳) ایک بار چالیس دن تک چلۂ معکوس کے بعد پانی کا ایک قطرہ بھی میسّر نہ آیا۔ پیاس کی شدّت اور اضطراب میں ایک مُشت خاک منہ میں رکھی تو وہ شکر ہو گئی غیب سے آواز آئی اے فرید تجھ کو ہم نے گنج شکر بنایا۔

(۴) آپ کے بچپن میں آپ کی والدہ نماز کی ترغیب دلانے کے لئے مصلّے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں تاکہ یہ ذہن نشین ہو کہ نماز کی پابندی سے اس طرح غیب سے شکر ملتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ روزانہ کے معمول کے مطابق شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں لیکن شکر کی پڑیا مصلّے کے نیچے رکھی ہوئی ملی اور والدہ نے دعا دی کہ یہ فرزند گنج شکر اور ہمیشہ شکر کی مانند شریں تر ہو۔

(۵) شکّر پڑیاں گی وجہ تسمیہ بھی بابا فرید گنج شکر سے منسوب ہے۔ فیض آباد راولپنڈی کشمیر ہائی وے پر زیرو پوائنٹ کی طرف جاتے ہیں تو دائیں جانب مشرق میں ایک پہاڑی سلسلہ ہے جسے شکر پڑیاں کہتے ہیں۔ اس کے دامن میں ایک گانوں بھی اسی نام سے آباد تھا جو ختم ہو چکا ہے۔ ہائی وے پر زیرو پوائنٹ پل ۱۰۰۔ ۱۵۰ گز پہلے سیدھے ہاتھ کو جنوبی سمت میں مائل بہ شمال ایک قطعہ آراضی ہے وہی بابا فرید کی چلّہ گاہ تھی۔ اسی سے ملحق ایک نرم رَو پانی کا چشمہ شرقاً غرباً بہتا تھا۔ یہ جگہ یعنی بابا فرید کا چلّہ پہلے پہاڑ کے دامن میں ہوگا جو اسلام آباد بننے پر کھلی جگہ پر آ گیا تھا۔ صدہا سال سے لوگ دور دور سے زیارت کے لئے یہاں آتے تھے۔ چند سال قبل غالباً بعض خودسر اہلکارانِ حکومت نے تقریباً آٹھ سو سال کے اس متبرّک یادگار نشان کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کی ذمہ داری یقیناً انہی افراد پر ہے جنہوں نے یہ غلط اور نامناسب حرکت کی جبکہ اتنے مختصر سے قطعہ آراضی کو بدستور محفوظ رکھنے میں کوئی قباحت نہ تھی اور نئی آباد شدہ اسکیم

کا کسی قسم کا کوئی نقصان نہ تھا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس پہاڑی سلسلے کا کوئی نیا نام رکھ دیا جائے اور شکر پڑیاں نہ کہیں۔

روایت ہے کہ ایک بار بابا صاحب کے اس چلّہ کے قریب کچھ مسافر سستانے اور کھانے پینے کے لئے ٹھہر گئے تھے، بابا صاحب کی جب ان لوگوں پر نظر پڑی تو دیکھا کہ یہ لوگ روکھی روٹی کھا رہے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر ایک پڑیا یعنی پتھر کی سِل پر چادر ڈال دی اور فرمایا کہ روٹی شکر سے کھاؤ۔ وہ مسافر اس پڑیا کے نیچے سے شکر لیتے اور روٹی کھاتے رہے اور سیر ہو کر اطمینان سے کھانے پینے سے فارغ ہوئے۔ اسی واقعہ کی بدولت اس پہاڑی سلسلے کا نام شکر پڑیاں پڑ گیا۔ بلکہ یہ بھی مشہور ہے کہ اکثر پڑیوں کے نیچے سے شکر برآمد ہوتی رہی۔

(٦) گنج شکر کی وجہ تسمیہ کی سب سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ بنجاروں کا ایک قافلہ سرراہ گزر رہا تھا۔ بابا فرید اس راستے کے قریب چلہ کش تھے۔ اونٹوں کے قافلہ کی آہٹ سے آپ نے اس طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اونٹوں پر لدے ہوئے سامان کی بابت پوچھا کہ یہ کیا لئے جا رہے ہو۔ دراصل شکر تھی لیکن ان لوگوں نے کسی اندیشہ سے اصل چیز شکر کے بجائے اُسے نمک بتایا تو آپ نے فرمایا "اچھا نمک ہوگا" اپنی منزل پر پہنچ کر ان سوداگروں نے شکر کا سودا کر لیا اور جب بوریاں کھولی گئیں تو وہ سب نمک تھا۔ بنجارے خریداروں کے روبرو بے حد شرمندہ اور پشیمان ہوئے اور انہیں راہ میں کسی بزرگ سے جھوٹ

بولنا یاد آیا اور واپس اسی مقام پر پہنچے جہاں وہ بزرگ ملے تھے اور نہایت معذرت کے ساتھ اپنی غلط بیانی کا اقرار کیا اور دعا چاہی۔ تب بابا فرید نے فرمایا' کیا تھا؟ انہوں نے کہا شکر تھی جسے ہم نے کسی وجہ سے نمک کہہ دیا تھا۔ بابا فرید نے فرمایا'' کیا شکر تھی اچھا شکر ہو گی'' پھر دیکھا تو ان سب بوریوں میں پھر شکر بھری ہوئی تھی۔ اس جگہ کا نام بڑاودہ ہے جو سابق ریاست جاورہ (مالوہ) میں ہے۔ یہ چلّہ بھی پہاڑی علاقہ میں ہے اور ایک خَلقت وہاں حاضر ہو کر فیض پاتی ہے اس واقعہ سے متاثّر ہو کر اکبر بادشاہ کے ایک ذی حیثیت معتمد خاص خانِ خاناں بیرم خاں کا نتیجہ فکر یہ شعر بہت مشہور ہیں ؎

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر　　　آں کز نمک شکر کند و از نمک شکر

رباعی

کان نمک و گنج شکر شیخ فرید　　　کز گنج شکر کان نمک گرد پدید
در کان نمک کرد نظر گشت شکر　　　شیریں تر ازیں کرامتے کس نہ شنید

(۷) ایک بار بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہے تھے تو آپ کی ملاقات خواجہ اجل شیرازی سے ہوئی۔ آپ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دے کر مصافحہ کیا اور فرمایا'' بیا شکر عالم نیک آمدی بنشین''۔ ترجمہ:۔ عالم کی شکر آ، تو خوب آیا بیٹھ جا اور کئی روز تک مہمان رکھا۔ اپنے اس زمانہ قیام میں آپ نے دیکھا کہ وہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے۔ اگر کچھ موجود نہ ہوتا تو

خستہ خُرما ہی عطا فرماتے۔

آغاز جوانی میں رسمی علوم کی تحصیل کرتے رہے۔ پھر مزید تعلیم کی غرض سے ملتان آئے اور ایک مسجد میں آ کر ٹھہرے۔ اسی دوران میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اپنے مرشد خواجہ معین الدین چشتی سے ملنے کے لئے اوش سے ہندوستان آئے۔ اوّلاً ملتان پہنچے اور اِسی مسجد میں آ کر ٹھہرے جہاں بابا فرید ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز بابا فرید الدین مسعود کو کوئی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، مسعود کیا پڑھ رہے ہو۔ بابا صاحب نے کہا 'نافع' جو فقہ کی ایک کتاب ہے۔ خواجہ قطب صاحب نے فرمایا' کیا جانتے ہو کہ اس 'نافع' سے نفع ہو گا۔ بابا صاحب نے عرض کیا کہ مجھے تو آپ کی سعادت بخش کیمیا سے نفع ہو گا اور یہ کہہ کر حضرت قطب صاحب کے قدم بوس ہوئے۔ جب خواجہ قطب صاحب ملتان سے جانے لگے تو بابا صاحب کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے اور وہاں جا کر مرید کیا۔ اس وقت بابا صاحب کی عمر ۱۸ سال تھی۔ بیعت کرتے وقت اس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوری۔ سید نور الدین مبارک غزنوی۔ خواجہ محمود موئینہ دوز۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید اور دوسرے کئی بڑے بڑے بزرگ موجود تھے۔ غرض اس کے بعد بابا صاحب دہلی میں دو ہفتہ رہ کر واپس ملتان آ گئے۔ اب کے بار ملتان میں آپ کے پاس آنے والوں کا ہجوم بڑھنے لگا اس وجہ سے آپ اپنے آبائی وطن کوٹھے وال چلے آئے۔ یہاں بھی آنے والے لوگوں کا سلسلہ بڑھتا ہی گیا۔

شہرت اور ہجوم سے بچنے کے لئے کوٹھے وال سے اجودھن منتقل ہو گئے کہ یہاں کی آبادی کم تھی اور لوگ ملنسار اور فقیر دوست نہ تھے۔ آخر تا وفات ۱۶ یا ۲۴ سال اجودھن ہی میں مستقل سکونت پذیر رہے۔ بالآخر بابا صاحب کے وجود مبارک سے اجودھن قبلۂ ہندوستان وخراسان اور ہمیشہ کے لئے نہ صرف غریبوں، بیچاروں، مسکینوں کے لئے بلکہ شاہان وملوک کا بھی ملجا بن گیا۔

دریائے ستلج اجودھن کے نزدیک سے بہتا ہے۔ آگرہ وغیرہ سے اجودھن آنے کے لئے ستلج پار کرنا ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک بار اکبر بادشاہ جب اجودھن آیا تو ستلج پار کرتے وقت اس کو بتایا گیا کہ یہ اجودھن جانے کا پتن ہے۔ جہاں پانی کی گہرائی کم ہوتی ہے اور ایک طرف سے دوسری طرف جانے والے دریا کو پار کر تے ہیں اسے پتن کہتے ہیں۔ چنانچہ اکبر بادشاہ نے یہ سُن کر کہا کہ یہ پاک پتن ہے۔ اس کے بعد سے اجودھن کو پاک پتن کہا جانے لگا۔ بابا فرید آخر بار جب اپنے شیخ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ہانسی واپس جانے کی اجازت لینے کی نیّت کی تو شیخ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ کہہ کر اجازت عطا کی کہ میں جانتا ہوں تم جا رہے ہو۔ بابا صاحب نے کہا جیسا حکم ہو یعنی آپ نہ چاہیں تو نہ جاؤں۔ حضرت قطب صاحب نے فرمایا جاؤ تقدیر یہی ہے کہ تم میرے سفر آخرت کے وقت پر میرے پاس نہ ہو۔ میں بھی اپنے شیخ خواجہ معین الدین الدین چشتی کے آخر وقت پر ان کے پاس نہ تھا۔ خواجہ بزرگ

نے اپنی وفات سے کچھ پہلے مجھے اجمیر سے دہلی واپس بھیج دیا تھا۔ غرض شیخ کے حسب الحکم اس وقت بابا صاحب ہانسی چلے گئے۔ پھر جس رات کو حضرت قطب صاحب نے وصال فرمایا بابا صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب صاحب اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ اسی رات کو بابا صاحب ہانسی سے روانہ ہو گئے اور چوتھے روز دہلی پہنچے۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے تبرّکات کی وہ امانت جو حضرت قطب صاحب نے بابا فرید کو دینے کے لئے ان کے سپرد کی تھی بابا فرید کے حوالے کی۔ ان تبرکات میں جامہ، دستار، خرقہ، نعلین چوبین لکڑی کی کھڑانویں، عصا اور ایک کمبل تھا۔ بابا صاحب نے جامہ اسی وقت پہنا اور دوگانہ ادا کیا اور خواجہ قطب صاحب کے مکان میں ۳ یا ۷ سات روز تک رہے۔ اس کے بعد دہلی سے ہانسی واپس چلے گئے۔ ان تبرکات میں سے کمبل اور عصا بابا صاحب کے مستقل استعمال میں رہا آپ اسی کمبل پر بیٹھتے، اسی کو اوڑھتے اور رات کو بچھا لیتے جو پاؤں تک نہ پہنچتا تھا۔ اس عصاء مبارک پر بطور تکیہ سر رکھتے تھے۔

بابا فرید کی اولاد میں پانچ بیٹے تھے اور تین بیٹیاں۔ سب سے بڑے بیٹے شیخ نصیر الدین تھے پھر بہ لحاظ ترتیب عمر شیخ شہاب الدین گنج العلم۔ شیخ بدر الدین سلیمان۔ شیخ نظام الدین اور شیخ یعقوب تھے۔ بابا صاحب کی وفات کے بعد بہ اتّفاق برادران شیخ بدر الدین سلیمان اپنے والد کے صاحب سجادہ قرار پائے۔ پھر ان کے فرزند شیخ علاؤ الدین موج دریا جو اپنے والد کے مرید و خلیفہ تھے والد

کی وفات کے بعد ۱۶ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور ۵۴ سال سجادگی کا حق ادا کیا۔ شیخ بدرالدین سلیمان کا مزار باباصاحب کے مزار سے ملا ہوا مشرقی پہلو میں ہے۔ شیخ شہاب الدین گنج العلم کا مزار باباصاحب کے مقبرہ کے مغرب میں نزدیک ہی ایک علیحدہ مقبرے میں ہے۔ شیخ علاءالدین موج دریا کا مدفن باباصاحب کے جوار میں اندرون درگاہ مشرق کی سمت میں علیحدہ ایک بہت بڑے گنبددار مقبرے میں ہے۔ باباصاحب کی صاحبزادیاں تین تھیں۔ (۱) بی بی مستورہ جن کا سلسلۂ اولاد باقی ہے (۲) بی بی شریفہ جو جوانی ہی میں بیوہ ہوگئیں تھیں دوبارا شادی نہ کی (۳) بی بی فاطمہ جن کی شادی مولانا سید بدرالدین اسحٰق دہلوی سے ہوئی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں۔ ان کا مزار دہلی میں ہے۔ ان کی اولاد کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

باباصاحب نے اپنے کسی بیٹے کو مرید نہ کیا اور نہ خلافت دی۔ خاندانِ چشت کے دو بزرگ اور صاحب نعمت خلفاء خواجہ زورؔ، خواجہ غورؔ ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ واپسی پر اجودھن کے نزدیک پہنچے تو بابافرید کو خبر ہوگئی۔ ان کا استقبال کر کے اجودھن لائے اور بہت تواضع کی۔ مولانا شہاب الدین گنج العلم اور شیخ بدرالدین سلیمان کو ان کا مرید کرایا اور ان دونوں بھائیوں کو ان ہی بزرگوں نے خلافت عطا کی۔

باباصاحب کے بڑے درجہ کے خلفاء میں شیخ جمال الدین ہانسوی۔

شیخ نجیب الدین متوکّل آپ کے چھوٹے بھائی جو دہلی میں رہتے تھے اور ان کا وہیں مزار ہے۔ مولانا سید بدرالدین اسحٰق دہلوی۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی۔ مخدوم سیّد علاء الدین علی احمد صابر نہایت نامور ہیں۔

باباصاحب کے احباب میں قاضی حمیدالدین ناگوری۔ خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید اور خواجہ محمود موئینہ دوز کے اسمائے گرامی خاص طور پر لئے جاسکتے ہیں۔

سماع سے باباصاحب نہایت شغف رکھتے تھے اور آپ سماع کو راحت دل قرار دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے سامنے سماع کے حلال وحرام ہونے کے بارے میں یہ بات آئی کہ علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے تو آپ نے فرمایا' سبحان اللہ ایک شخص جل کر خاک ہوگیا اور دوسرا ابھی تک اختلاف میں پڑا ہے۔ فرماتے تھے کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل سے بالکل جدا ہے۔ ایک بار آپ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار سے چلّہ کھینچنے کے لئے اجازت چاہی۔ یہ بات آپ کے شیخ کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ انہوں نے ناگواری کے ساتھ فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ان چیزوں سے شہرت ہوتی ہے۔ باباصاحب فرائض وسُنن اور دوسرے احکام شرع کی پابندی اور تلاوت قرآن پاک پر بڑا زور دیتے تھے۔ آپ مجاہدے، ریاضت، فقر، استغنا' علم اور تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے اور بڑے بڑے مشائخ وعلماء باریک اور دشوار مسائل آپ سے سمجھتے تھے۔

بہشتی دروازے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کسی موقع پر ایک بڑے بزرگ کا جلوس گزرنے والا تھا شہرت یہ تھی کہ ان کا دیکھ لینا ایسا ہے کہ جیسے جنت مل گئی۔ نظام الدین محبوب الٰہی کو عجب طرح سے اس وقت اپنے شیخ بابا فرید کا خیال آیا اور قریب کی کسی دوکان وغیرہ میں چھپ گئے اور چہرے کو بھی ہاتھوں سے چھپالیا۔ واپسی پر بابا صاحب نے آپ کو افسردہ دیکھا۔ اس وقت بابا صاحب اپنے حجرہ کے دروازہ پر عصا لئے کھڑے تھے۔ کشف سے محبوب الٰہی کے رنجیدہ ہونے کا علم ہوا تو دروازہ پر عصا ٹیک کر فرمایا کہ تا قیامت جو یہاں سے گزرے گا وہ جنّتی ہوگا۔ بابا صاحب کے وصال کے بعد حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے اس دروازہ کے مشرقی جانب جناب رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جگہ کھڑے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے اسی دروازے سے حجرہ کے اندر داخل ہوئے ''مَنْ دَخَلَ هٰذَا الْبَاب فَقَدْ اٰمِنَ'' یعنی جو اس دروازہ میں داخل ہوگا وہ امان میں رہے گا یعنی جنّتی ہوگا۔ چنانچہ ادب اور یادگار کی بناء پر اس جگہ کو ایک بخاری بنا کر محفوظ کر دیا گیا جس جگہ پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو رونق افروز دیکھا تھا۔ اسی وجہ سے بابا صاحب کے حجرہ کے دروازہ کو جو جنوب کی سمت میں ہے جنّتی دروازہ کہا جانے لگا۔ یہ دروازہ محرّم کی ۵،٦ تاریخ کو عرس کے موقع پر کھلتا رہا ہے۔

۵ محرم ٦٧٠ھ کو شب جمعہ میں بعد نماز عشاء بابا صاحب نے بعمر ۹۳ سال

وصال فرمایا۔ اوّل جسد اطہر کو امانتاً رکھدیا گیا۔ تدفین ثانی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے آنے پر ان کے مشورہ سے اسی حجرہ میں ہوئی جس میں آپ رہتے تھے۔ دفن کے وقت قبر کے لئے اینٹیں کم پڑ گئیں تو محبوب الٰہی صاحب نے حجرہ کی شرقی دیوار سے انیٹیں نکال کر قبر میں لگائیں جس کی وجہ سے دیوار کُھل گئی اور وہاں پر ایک نیا دروازہ بنا دیا گیا جسے نوری دروازہ کہا جاتا ہے۔ مزار کی زیارت کے لئے آمدورفت کا یہی دروازہ رکھا گیا۔ حجرہ کا اصل دروازہ جو مقبرہ کی جنوبی دیوار میں ہے بند کر دیا گیا۔ صرف عرس کے دنوں میں کُھلتا ہے۔ اس کے قریب شمال مشرق میں اولیا مسجد ہے۔ اجودھن کے قیام میں محبوب الٰہی نظام الدین اولیا یہاں پر نماز پڑھتے تھے۔ بعد میں اس جگہ پر چھوٹی سی مسجد بنادی گئی جسے اولیا مسجد کہا جانے لگا۔

حضرت شیخ احمد ذکی نہروالی

آپ کا نام احمد اور لقب حامد الدین ہے۔ ذکاوت طبع کی وجہ سے ذکی مشہور ہوئے صوبہ گجرات کاٹھیاواڑ میں ایک مقام نہروالہ ہے جسے پٹن اور پیران پٹن بھی کہتے ہیں، آپ وہاں کے رہنے والے تھے۔ نہروالی اسی لئے کہے جاتے ہیں۔ وہاں سے بدایوں آکر سکونت پذیر ہوئے اور آخر تک بدایوں ہی میں رہے۔ بہت بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے۔ بدایوں میں احمد نام کے سات بزرگ مدفون ہیں جنہیں ہفت احمد کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ شروع

جوانی میں امام فقیہہ مادھو سے فیض پایا تھا۔ تاہم با قاعدہ سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سے بیعت کے بعد خلافت پائی تھی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی بہت کم کسی کو پسند کرتے تھے لیکن یہ فرماتے تھے کہ احمد کی مشغولی بحق یا معرفت کی استعداد کو تولیں تو دس صوفیوں کے برابر ہوگی۔ فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ جس مجلس سماع میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا واقعہ وفات ہوا ہے شیخ احمد نہروالی اس مجلس میں موجود تھے۔

شیخ احمد جامع مسجد یا جہاں کہیں جاتے تو احباب کا ایک انبوہ ان کے ساتھ ہوتا۔ اس زمانے میں ایک بزرگ علی شوریدہ نام کے بدایوں میں تھے جو شیخ احمد کو اس طرح بھیڑ کے ساتھ جانے کو منع کرتے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ شیخ احمد حسب معمول ہجوم کے ساتھ جامع مسجد جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ ایک آدمی کسی دوسرے شخص کو لات گھونسہ سے مار رہا تھا۔ شیخ احمد مع ساتھیوں کے اس کے قریب پہنچے اور ارد گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور اس مظلوم کی مارنے والے سے گلوخلاصی کرائی۔ اس وقت اتفاق سے علی شوریدہ کا بھی وہاں پر گزر ہوا۔ شیخ احمد نے انہیں دیکھا تو ان سے کہا کہ ایسے کاموں کے واسطے میں احباب کے ساتھ گھر سے نکلتا ہوں۔

شیخ احمد کا پیشہ پارچہ بافی تھا۔ ایکبار ان کے مرشد قاضی حمید الدین ناگوری

ان کے دیکھنے کے لئے بدایوں تشریف لائے۔ واپس جاتے ہوئے فرمایا، احمد کب تک اس کام میں لگا رہے گا اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ اس وقت شیخ احمد اٹھے کہ میخ کو مضبوطی سے ٹھونکیں جو زمین سے ہل گئی تھی تو ٹھوکنے والا پتھر یا ہتھوڑا اس زور سے انکے ہاتھ پر پڑا کہ ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اس وقت شیخ احمد نے بزبان ہندی (جسے آج اردو کہیں) کہا کہ ''میرے پیر نے میرا ہاتھ توڑ دیا''۔ اس کے بعد سے شیخ احمد نے کپڑا بننا ترک کر دیا۔ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی نے فرمایا ہے کہ کبھی کبھی کارگاہ میں یعنی کپڑا بنتے ہوئے ان پر ایسا حال پیدا ہو جاتا کہ گُم سم بیخود ہو جاتے اور کام سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن کپڑا بُنا ہوا پاتے۔

خزینۃ الاصفیا میں سال وفات ۶۶۱ھ دیا ہوا ہے۔ عرس رمضان میں ۱۵ تاریخ کو ہوتا ہے۔ چاہ میر محلّہ بدایوں میں نزد جامع مسجد شمسی مچھلی کے کنوئیں کے متصل لب سڑک مزار واقع ہے۔ ایک عرصہ سے یہ کنواں بند کر دیا گیا ہے۔ اس جگہ پر ایک پرانی مسجد تھی جسے اب سے کم و بیش سو سال قبل اہل محلّہ کی کوشش سے از سرِ نو تعمیر کیا گیا تھا اور لب سڑک اس مسجد سے متعلق مغرب میں چند دوکانیں بھی تعمیر کر دی گئی تھیں۔ عرس آمدنی دوکانات موقوفہ مسجد سے ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ شیخ محمود موئینہ دوز

اُون والے جانوروں کی کھال سے جو لباس بنایا جاتا ہے اس کو پوستین اور پوستین کو موئینہ کہتے ہیں۔ خواجہ محمود کا کسب معاش موئینہ دوزی تھی اسی لئے

موئینہ دوزان کا جزو نام ہو گیا۔ یہ متقی، عابد و زاہد اور نہایت عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید و خلیفہ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مصاحبین خاص میں تھے۔ خواجہ قطب صاحب کی شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہو جس میں وہ موجود نہ ہوتے ہوں۔ سماع سے از حد شوق اور شغف رکھتے تھے۔

ان کے زمانے میں جس کا غلام بھاگ جاتا تو اس غلام کا مالک شیخ محمود کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا کہ میرا غلام بھاگ گیا ہے۔ شیخ محمود اس غلام کا نام پوچھتے۔ تھوڑی دیر سوچ میں گُم رہتے اس کے بعد اس غلام کے مالک سے کہتے تم اُسے پالو گے۔ اس کے بعد مزید یہ کہتے کہ جب تمہیں وہ مل جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آیا اور آ کر آپ سے کہا میرا غلام بھاگ گیا ہے۔ شیخ محمود نے غلام کا نام پوچھا تھوڑی دیر سوچ کر کہا، تمہیں مل جائے گا لیکن جب مل جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ چند دنوں کے بعد اس کو غلام مل گیا لیکن اس نے شیخ کے پاس جا کر غلام کے ملنے کی اطلاع نہ دی۔ چند روز گزرے تھے کہ وہ غلام پھر بھاگ گیا۔ اس کا مالک دوبارا شیخ محمود کے پاس آیا اور ان کو واقعہ کی اطلاع دی۔ شیخ نے اس سے کہا کہ یہ جو میں نے کہا تھا کہ جب وہ غلام مل جائے تو مجھے اس کے ملنے کی اطلاع دینا تو اس سے غرض یہ نہیں تھی کہ میں تم سے کچھ طلب کروں گا بلکہ میں نے یہ اس لئے کہا تھا

کہ جب تم مجھے اس کے ملنے کی اطلاع دے دو گے کہ تمہیں غلام مل گیا ہے تو میرے دل سے بوجھ ہٹ جائے گا۔ بہرحال اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اس کے بعد شیخ محمود نے غلام کے مالک سے کہا کہ جب تم نے یہ شرط قبول کی تھی کہ اگر غلام مل گیا تو تم مجھے اطلاع دو گے، تم نے غلام کے ملنے پر مجھے اطلاع نہیں دی تو اس دفعہ یہ جو غلام بھاگا ہے تمہیں نہیں ملے گا۔

شیخ محمود موئینہ دوز کے وصال کا سال ۶۵۵ھ ہے۔ مزار خواجہ قطب صاحب کے جوار میں مہرولی شریف میں اس دروازہ کے قریب ہے جہاں سے حوض شمسی کو سیدھا راستہ جاتا ہے۔ خواجہ قطب صاحب اور قاضی صاحب کے مزارات کے جنوب میں قاضی صاحب کے احاطۂ قبر کے باہر کی طرف سے مالن دروازہ سے نکل کر تقریباً ڈیڑھ دو سو قدم چلنے کے بعد سیدھے ہاتھ کو مغرب کی سمت جنگلی ڈیوڑھی میں خواجہ محمود موئینہ دوز کا مزار ہے۔ چھوٹی چاردیواری کے اندر چبوترہ کے احاطے میں قناتی مسجد ہے۔ تعویذ قبر چونے کا بنا ہے۔ فرش بھی کنکر چونے کا ہے۔ عام طور سے جب کسی کو کوئی مہم یا حاجت درپیش ہوتی ہے تو بہ گوشۂ شمال و مغرب دیوار کے کونے میں وہیں قریب سے پتھر اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور مراد پوری ہو جانے پر اس پتھر کے وزن کے برابر شکر تقسیم کرتے ہیں۔ کبھی کبھی بعض لوگ مَن سَوا مَن کچی لال شکر تقسیم کرتے ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین ابوالمؤید

شیخ نظام الدین ابوالمؤید سلطان شمس الدین التمش کے عہد کے مشاہیر بزرگوں میں سے ہیں۔ اپنے باپ اور ماموں سے کتابی علوم حاصل کئے۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب زہد وورع وتقویٰ تھے۔ شیخ عبدالواحد غزنوی سے حصول بیعت کے بعد خلافت پائی۔ آپ کے پیر شمس العارفین کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنا یہ خطاب آپ کو بھی دیا تھا چنانچہ آپ کو بھی شمس العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ شاہ جمال گولوی جن کا مزار کول (علی گڈھ) میں متصل عیدگاہ ہے آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے معاصر ہیں اور ان کے بڑے درجہ کے خلفاء میں بھی آپ کا نام آتا ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی ان کے دیدار کو خدائی جمال کا آئینہ جانتے تھے۔ آپ کے وعظ میں بیحد اثر ہوتا تھا۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب نے ان کو دیکھا تھا اور ان کا وعظ سننے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ان کے وعظ میں گیا میں نے انہیں دیکھا کہ وہ پانوں میں جوتے پہنے آئے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت انہوں نے جوتے اتار کر ہاتھ میں لے لئے۔ پھر انہوں نے جوتے ایک طرف رکھ دیئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے کسی شخص کو اس ہیئت پر نماز میں نہیں دیکھا۔ انہوں نے بڑے سکون واطمینان کے ساتھ

دوگانہ ادا کیا پھر منبر پر گئے۔ایک بہت خوش خواں قاری تھے جن کا نام قاسم تھا انہوں نے ایک آیت تلاوت کی۔اس کے بعد شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے اس طرح آغاز کیا کہ میں نے اپنے باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ابھی دوسری بات نہیں کہی تھی کہ صرف انہیں الفاظ لوگوں پر اسقدر اثر کیا کہ وہ سب رونے لگے۔اس موقع پر انہوں نے یہ دو مصرعے پڑھے ؎

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیروزبر خواہم کرد

راقم نے اردو میں یہ ترجمہ موزوں کر دیا ہے ؎

میں ترے عشق پر اور تجھ پہ نظر رکھوں گا جان کو غم میں ترے زیروزبر کر دوں گا۔

غرض جیسے ہی انہوں نے یہ شعر پڑھا لوگ آہ اور واہ کرنے لگے۔آخر پوری رباعی پڑھ کے آپ منبر سے اُتر آئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی بزرگی کے بارے میں یہ حکایت بھی بیان فرمائی ہے کہ ایک دفعہ بارش نہ ہوئی تو لوگوں نے انہیں مجبور کیا کہ بارش کے لئے دعا مانگی۔اس کے بعد آسمان کی طرف مونہہ کیا اور کہا یا اللہ اگر تو بارش نہیں برساتا تو اس کے بعد میں کبھی کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔وہ یہ کہہ کر منبر سے اُتر آئے۔حق تعالیٰ نے باران رحمت بھیجا یعنی اپنی رحمت سے بارش برسادی۔اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ان سے ملے اور کہا کہ تمہارے متعلق ہمارا اعتقاد راسخ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ

آپ کو حق سے کامل نیاز حاصل ہے لیکن یہ الفاظ آپ نے کیسے کہے اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں کبھی کسی آبادی میں نہ رہوں گا۔ اگر اللہ تعالےٰ بارش نہ برساتا تو آپ کیا کرتے۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے کہا میں جانتا تھا کہ اللہ تعالےٰ بارش برسائے گا۔ اس موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے کہا کہ آپ نے یہ کیسے جانا، شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے کہا کہ ایک بار سلطان شمس الدین التمش کی موجودگی میں اوپر نیچے یا آگے پیچھے بیٹھنے پر سید نورالدین مبارک غزنوی سے میرا نزاع ہو گیا تھا اور میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے ان کو تکلیف پہنچی تھی۔ جب لوگوں نے مجھ سے بارش کی دعا کرنے کو کہا تو میں سید نورالدین مبارک غزنوی کے روضہ پر گیا اور میں نے کہا کہ مجھ سے بارش کی دعا کے لئے کہا گیا ہے اور آپ مجھ سے رنجیدہ ہو چکے ہیں۔ اگر آپ مجھ سے صلح کر کے راضی ہو جائیں تو میں دعا کروں اور اگر آپ راضی نہیں ہوئے تو میں دعا نہیں کرتا۔ ان کے روضہ سے آواز آئی کہ میں تم سے راضی ہو گیا ہوں۔ تم جاؤ اور دعا کرو۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا ایک مجلس میں جب گفتگو فرما رہے تھے ان دنوں بارش نہیں ہوئی تھی۔ اس صورت حال کی مناسب سے آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ دہلی میں قحط پڑ گیا۔ اس امر پر سب کا اتفاق تھا کہ شیخ نظام الدین ابوالمؤید سے بارش کے لئے دعا کرائیں یعنی وہ نماز استسقا

پڑھائیں۔ چنانچہ شہر کے تمام لوگ بیرونِ شہر آ گئے۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید منبر پر کھڑے ہوئے اور وعظ کے دوران آستین میں ہاتھ ڈالا اور اس سے ایک کپڑا باہر نکالا اور آسمان کی طرف مونہہ کر کے لبوں کو ہلانے لگے۔ اس وقت بارش کے قطرے گرنا شروع ہو گئے۔ پھر جب آپ نے وہ کپڑا آستین میں واپس ڈال دیا تو بارش رک گئی۔ دوبارا پھر شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے آستین سے اس کپڑے کو باہر نکال کر چہرہ آسمان کی طرف کیا تو زوردار بارش ہونے لگی۔ مختصر یہ کہ آپ نماز استقا سے فارغ ہو کر جب گھر میں آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ کپڑا کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ میری والدہ کے کرتے کا دامن تھا۔

وفات: سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ۶۷۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ بہت طویل عمر ہوئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی حریم درگاہ میں داخل ہونے والے دروازے کے مشرق کی طرف جو راستہ مسجد میں جاتا ہے اس راستے کے شمال میں مسجد کی جنوبی دیوار سے متصل آپ کی خوابگاہ ہے۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید کے مزار کے قریب مشرق میں آپ کی والدہ ماجدہ بی بی سارہ کی ابدی آرام گاہ ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی

آپ شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید ہیں۔ پیر کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے دامن ارادت سے وابستہ ہو کر بے حساب

فیض کا اکتساب کیا اور خرقۂ خلافت پایا۔ سات برس تک آپ مسلسل سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہے۔ اس زمانے میں جب حضرت بوڑھے اور ضعیف تھے حج کے لئے تشریف لیجاتے تو شیخ جلال الدین تبریزی ان کے واسطے خوراک اپنے ساتھ رکھتے اور ایک چولھا سر پر رکھ کر ساتھ لیجاتے جس میں آگ رہتی تھی اور ان کے طلب فرمانے پر آپ طعام گرم ان کے روبرو پیش کرتے۔

ایک دفعہ جب حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سفر حج سے واپس آئے تو بڑی تعداد میں اہل بغداد آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ سب نقد و جنس کی شکل میں آپ کو نذر کرنے کے لئے تحائف لا رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک بوڑھی عورت آئی اس نے اپنی پرانی چادر کی ایک گرہ کھولی اور اس میں سے ایک درہم نکال کر آپ کے سامنے رکھا۔ حضرت نے وہ درہم لے کر تمام نذروں اور تحفوں کے اوپر رکھ دیا۔ اس وقت وہاں جو لوگ حاضر تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ تم ان تحفوں اور نذروں میں سے جو چیز چاہو لے لو۔ ہر شخص نے اُٹھ اٹھ کر نقدی اور بہترین سامان لے لیا۔ جب آپ نے شیخ جلال الدین تبریزی کی طرف اشارہ کیا کہ تم بھی کوئی چیز لے لو تو وہ اٹھے اور انہوں نے وہ درہم جو بُڑھیا لائی تھی لے لیا۔ حضرت شیخ الشیوخ نے جب یہ دیکھا تو شیخ جلال الدین تبریزی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ سب کچھ تو تم نے لے لیا۔

حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر آپ کچھ عرصہ شیخ فریدالدین عطّار

کی خدمت میں نیشاپور جا کر رہے اور روحانی استفادہ کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہندوستان میں موجود ہونے کی اطلاع پا کر بزمانہ سلطان شمس الدین التمش حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رفاقت میں بغداد سے ملتان پہنچے پھر ملتان سے دہلی آ کر قیام فرمایا۔ ابھی آپ دہلی ہی میں تھے کہ شیخ الاسلام نجم الدین کُبریٰ نے اپنی سیاہ دلی اور حسد کی بناء پر سازش کر کے آپ پر ایک بیہودہ تہمت لگوائی لیکن اس جھوٹے الزام کی ایسی پول کھلی کہ نجم الدین کُبریٰ شیخ الاسلام کے منصب ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پھر جب آپ دہلی چھوڑ کر جانے لگے تو یہ فرمایا کہ میں جب دہلی آیا تو خالص سونا تھا اور اب چاندی ہوں، اس کے بعد نہ معلوم کیا ہو جاؤں۔

آخر اس واقعہ کے بعد آپ نے بدایوں تشریف لا کر سکونت اختیار فرمائی اور بڑے عرصہ تک اس شہر کے لوگ آپ سے فیض یاب ہوتے رہے۔ بدایوں میں آپ کی بنوائی ہوئی ایک مسجد جو آپ کے مکان سے متصل تھی آج ایک تاریخی یادگار ہے قاضی حمید الدین ناگوری کی طرح آپ بھی بہت کم کسی کو مرید کرتے تھے۔ بدایوں کی اقامت کے دوران بیعت و خلافت سے سرفراز ہونے اور خاص فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ برہان الدین خلف علاّمہ کمال الدین جعفری حاکم بدایوں۔ مولانا سید علاؤالدین اصولی اُستاد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی اور شیخ علی مُولا بزرگ کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر

ہیں۔ آخر عمر میں بحکمِ غیبی آپ بدایوں سے بنگال کی طرف تشریف لے گئے وہیں وصال فرمایا۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا سالِ وفات ۶۴۲ھ ہے اور آپ کی خوابگاہ پنڈوہ شریف دیوحل بندر ضلع مالدہ مغربی بنگال میں ہے۔

حضرت شیخ سعدالدین تنبولی

سلطان شمس الدین التمش کے بھانجے شیخ سعدالدین تنبولی (پان والے) ایک باعظمت شہزادے تھے جنہیں سلطان شمس الدین التمش نے بیٹا بنا کر پرورش کیا تھا۔ وہ قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس شہزادوں کی آن بان سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بندہ چاہتا ہے آپ کے مریدوں کے سلسلے میں داخل ہو جائے۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ ہم درویش ہیں اور تم شہزادے اور مال و دولت والے ہو۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی مناسب اور لگاوٹ ہی نہیں۔ واپس جاؤ اور جو بادشاہوں کو دوست رکھتے ہیں ان کے مرید ہو جاؤ۔ وہ فوراً واپس ہو گیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایک غلام کر ساتھ لئے قاضی صاحب کے مکان پر بیعت کے لئے حاضر آیا۔ قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ اب بھی تم سے دنیا کی بو آتی ہے۔ شیخ سعد الدین پھر لوٹ گئے اور کچھ عرصہ بعد پیدل ہاتھ میں ایک گلدستہ لئے ہوئے قاضی صاحب کے مکان پر آئے۔ اب آپ نے فرمایا کہ اے سعدالدین تم خوش نصیب آدمی ہو آؤ اچھے وقت پر پہنچے۔ "اے سعدالدین میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو۔ سات مرتبہ قُل ھُوَ اللہ شریف پڑھو اور زمین کی طرف

دیکھو۔آپ کی نظر تحت الثّریٰ تک پہنچی۔پھر فرمایا سات مرتبہ قل ھُوَ اللہ شریف پڑھو اور آسمان کی طرف دیکھو۔اب ان کی نظر عرش سے بالاتر پہنچی۔قاضی حمیدالدین نے فرمایا آج اتنا ہی کافی ہے۔اللہ نے چاہا تو مقام مطلوب تک پہنچ جاؤ گے۔اس کے بعد سعدالدین کے سر پر ٹوپی رکھی اور سات پیوند لگی ہوئی کملی عطا فرمائی۔شیخ سعدالدین نے جب قاضی حمیدالدین کی گلیم پہنی تو ان کا دل دنیا کی طرف سے ٹھنڈا پڑ گیا اور درویشی کے درجہ تک پہنچ گئے۔

ادھر سلطان شمس الدین التمش کو خبر ہوئی میرا بھانجہ قاضی حمیدالدین ناگوری کا مرید ہو گیا ہے تو وہ اپنی شاہانہ شان وشوکت سے قاضی حمیدالدین اور خواجہ قطب الدین بختیار کے پاس حاضر ہوئے۔یہ دونوں حضرات وضو سے فارغ ہو کر دوگانہ تحیّۃ الوضوادا کر رہے تھے۔جب سلطان شمس الدین نے قدمبوسی کر لی اور ادب سے بیٹھ گئے تو بولے بندہ بھوکا ہے۔قاضی حمیدالدین نے خادم سے فرمایا کہ کھانا اگر موجود ہو تو لے آؤ۔سلطان نے کہا کہ بندہ کو غیب سے کھانا دیجئے۔خواجہ قطب الدین بختیار نے آستین میں ہاتھ ڈالا اور دو سفید گرم روغنی روٹیاں نکالیں اور سلطان شمس الدین کے ہاتھ پر رکھ دیں۔قاضی حمیدالدین نے اس جگہ سے جہاں وضو کیا تھا کچھ کیچڑ اٹھا لی وہ حلوہ ہو گئی اور بادشاہ کو دے دی گئی۔اس کے بعد قاضی حمیدالدین نے شیخ سعدالدین سے فرمایا کہ پان بھی ہونا چاہیے۔شیخ سعدالدین نے آستین میں ہاتھ ڈالا اور چھالیہ کتھا چونا لگا ہوا

پان سلطان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ پان بھی عالم غیب سے تھا۔ سلطان شمس الدین نے کہا کہ میں آپکی بارگاہ کا کتّا ہوں اگر تمام لشکری یہ روٹی حلوہ اور پان کھالیں تو بڑا اچھا ہو۔ خواجہ قطب الدین نے فرمایا کہ اپنے لشکریوں سے کہو کہ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف کرلیں۔ بادشاہ کے حکم بموجب تمام لشکریوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف کر لئے۔ خواجہ قطب الدین نے اپنی دونوں آستینیں جھاڑیں اور ہر شخص کے ہاتھ پر دو دو روٹی پہنچ گئیں اور اس کیچڑ سے حلوہ پیدا ہوا۔ شیخ سعدالدین نے بھی اپنے ہاتھ جھاڑے تو ہر ایک کے ہاتھ پر چھالیہ کتّھا چونا لگا ہوا پان پہنچا۔ شیخ سعدالدین کو اسی لئے تنبولی کہتے ہیں۔ سلطان نے اپنے سر سے سونے کے کام کی ٹوپی اتاری اور کہا کہ بندہ شمس الدین چاہتا ہے کہ قاضی حمیدالدین کا مرید ہو۔ قاضی حمیدالدین نے فرمایا حمیدالدین کوئی بازیگر نہیں کہ تماشا دکھائے اور مخلوق کو اپنا معتقد بنائے اگر تمہیں ہم پر اعتقاد ہوتا تو یوں ہمارا امتحان نہ لیتے۔ سلطان نے بہت منّت وزاری کی کہ بندہ سے جو قصور ہوا ہے اسے معاف فرمایا جائے مگر حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری نے سلطان کو مرید نہ کیا۔ بعدہٗ سلطان نے چھ مہینے تک خانقاہ کے درویشوں کی خدمت کی لیکن قاضی صاحب نے سلطان کو مرید نہ کیا البتہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سلطان کو اپنی بیعت میں لے لیا۔ (نقل از سبع سنابل مصنّفہ میر سید عبدالواحد بلگرامی فرجد اعلیٰ پیران پاک مارہرہ بزمانہ اکبر بادشاہ)

اواخر ساتویں صدی ہجری شیخ سعد الدین تنبولی کا زمانۂ وفات معلوم ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار شریف کی حریم کے باہر مغرب یعنی کعبہ کی طرف چلیں تو دس قدم کے بعد ہی اُلٹے ہاتھ کو سعد الدین تنبولی کا مقبرہ ہے۔ تقریباً تین چار فٹ اونچے چبوترہ پر حریم مقبرہ کی اونچی جالیاں بنی ہیں۔ محجّر کے اندر تھوڑا اونچا ایک چبوترہ ہے جس پر تین قبریں ہیں۔ درمیان میں شیخ سعد الدین تنبولی کی قبر ہے۔ دوسری اور قبریں غالباً شمس الدین التمش کے خاندان کی ہوں گی۔ یہ مقبرہ بہادر شاہ ظفر کے محل اور موتی مسجد کے درمیان میں ہے۔ اسی کے برابر میں اور بادشاہوں کی بھی قبریں ہیں۔

حضرت شیخ علی مُولا بزرگ

علی مُولا بزرگ بہت بڑے اولیائے قدیم سے ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین صاحب کے ہمعصر اور دوستوں میں ہیں۔ علی مُولا کو شیخ جلال الدین تبریزی سے بڑی نعمت اور کرامت حاصل تھی۔ مشائخ وعلما اور خاص وعام سب ان کو متبرّک سمجھتے تھے اور ان کے پاؤں چومتے تھے، جو کوئی ان کو دیکھتا وہ بہ تحقیق جانتا کہ یہ خدا کے بڑے دوست ہیں اور ان سے برکت حاصل کرتا۔ آپ کچھ نہیں جانتے تھے اُمّی محض تھے لیکن مقبولیت عظیم رکھتے تھے۔ صرف پنجوقتہ نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے تحصیل علم تمام کر لی تب ان کے استاد مولانا سید علاؤ الدین اصولی کے حسب منشاء شیخ علی مُولا بزرگ بلائے گئے تاکہ ان کے ہاتھوں سے دستار بندی کی رسم انجام پائے۔ الغرض علی مُولا بزرگ اس تقریب میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنے دست مبارک سے حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے سر مبارک پر دستار فضیلت باندھی اور ساتھ ساتھ بہت دعائیں دیں اور مستقبل کی عزّت، شہرت اور بزرگی کی پیش گوئی فرمائی۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے مرید ہونے سے قبل وہ چوروں کے اس گروہ میں شامل تھے جو بدایوں کے گردونواح میں رہتے تھے اور وہیں شہر کے لوگوں کو راستے میں لُوٹا کرتے تھے اور شاید اس بات کو چُھپا رکھنے کے لئے بدایوں میں شہر کے اندر آکے دہی بیچا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی جو دہلی چھوڑ کر بدایوں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے ایک روز اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دہی بیچنے والا دہی کی مٹکی سر پر رکھّے سامنے سے گزرا۔ جب شیخ جلال الدین تبریزی پر اس کی نظر پڑی تو ایک دم اس کا دل پھر گیا۔ شیخ نے نگاہ تیز سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا دینِ محمد علیہ السلام میں ایسے مرد بھی ہوتے ہیں اور فوراً ایمان لے آیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے اُس دہی فروش کا نام علی رکھا جس کا نام صرف مُولا تھا۔ شاید مُول چند سے مُولا عرف ہو گیا ہوگا۔ مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے منقول ہے کہ بدایوں

میں دو علی مُولا تھے۔ چنانچہ یہ دہی فروش علٰی مُولا بزرگ اور دوسرے علی مُولا خورد کے نام سے معروف تھے۔

الغرض جب شیخ علی مُولا بزرگ نے اسلام قبول کرلیا تو اپنے گھر جاکے ایک لاکھ جیتل چاندی کے سکّے رائج الوقت لاکر شیخ تبریزی کو نذر کیئے۔ انہوں نے قبول فرما کر کہا ان کو اپنی تحویل میں رکھّو۔ میں جب جس طرح کہوں خرچ کرنا۔ شیخ تبریزی ان سکّوں میں سے کسی کو سو کسی کو پچاس یا کم وبیش دلواتے رہے مگر پانچ سے کم دینے کا کسی کو حکم نہیں دیتے۔ آخر جب صرف ایک سکّہ رہ گیا تو علی مُولا کے دل میں خیال آیا کہ شیخ تبریزی کی بخشش پانچ سے کم نہیں اور اب صرف ایک سکّہ باقی رہ گیا ہے اب کیا ہوگا۔ علی مُولا اسی اندیشے میں تھے کہ ایک سائل آیا، شیخ تبریزی نے کہا ایک سکّہ اس کو دے دو۔

الغرض ایک طویل عرصہ قیام کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی بدایوں سے بنگال کی طرف جانے لگے تو شیخ علی مُولا بزرگ ساتھ چلنے لگے اور کہا میں آپ کے بغیر یہاں نہیں رہوں گا۔ آپ کا چہرہ مبارک مجھ کو کہاں دیکھنے کو ملے گا۔ حضرت جلال الدین تبریزی نے فرمایا، اے علی تم واپس جاؤ۔ یہ مقام میں نے تمہارے حوالہ کیا اور یہ شہر تمہاری حمایت میں ہے۔ میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا اور میرے اور تمہارے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

حضرت شیخ علی مُولا بزرگ کی صحیح تاریخِ فات کا کوئی علم نہیں۔غالباً ساتویں صدی ہجری کے نصف کے بعد وفات ہوئی ۔حضرت سلطان العارفین صاحب کے بن میں مدفون ہوئے ۔آپ کی قبر حضرت کی قدیم حریم زیارت سے جانب غرب مائل بہ جنوب تخمیناً ۲۰۔۳۰ قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔کوئی چاردیواری نہیں تھی ۔نصف صدی قبل تک قبر شکستہ اور قبر کا چبوترہ بھی شکستہ اور زمیں دوز تھا۔ نہ معلوم اب قبر کا کوئی نشان باقی ہے کہ نہیں ۔۲۳۔۲۴ سال پہلے تک تو نشان قبر تھا۔اس قبر کے مغرب میں دوسری قبریں بھی ہیں۔

حضرت احمد خیاّط

" ہفت احمد در بدایوں خفتہ اند" آپ منجملۂ حضرات ہفت احمد ہیں۔بدایوں کے اولیائے متقدمین میں سے ہیں۔بڑے تقویٰ وطہارت والے پرہیز گار وعبادت گزار اور اہل کرامت وولایت تھے ۔حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی کے مُحبِّ مخصوص اور حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے مرید تھے ۔پیشۂ خیاّطی سے بسر اوقات فرماتے ۔جب کسی کا رنگین کپڑا سیتے تو خود سفید کپڑے پہنتے اور سفید کپڑا سیتے تو رنگین لباس پہنتے کہ ایک تار بھی کسی دوسرے کے کپڑے کا ان کے کپڑوں پر لگ جاتا تو فوراً نظر آجاتا اور ایک ایک تار کو اس کے مالک کے حوالے کرتے ۔بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی تاریخ وصال ۹ رمضان ۶۶۲ھ تحریر کی ہے ۔بہر حال ۹ رمضان المبارک کو بدایوں کے درزی حضرات آپ

کے عرس کا اہتمام کرتے آئے ہیں۔ مزار آپ کا بدایوں کے مغرب میں حضرت شاہ ولایت اور حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزارت کے تقریباً درمیان میں ایک چبوترہ پر واقع ہے اور ایک مختصر سی حریم ہے، اسی میں ایک طرف حدود مسجد کے نشانات قائم ہیں۔

حضرت شرف الدین خیاّط

بدایوں کے قدیم اولیائے کرام میں سے تھے۔ حضرت سلطان العارفین شیخ شاہی کے مخصوص دوستوں میں تھے۔ حضرت شیخ شاہی نے شیخ نظام الدین ابوالمؤید کا علاج کرنے کے لئے اپنے دو دوستوں احمد خیاّط اور شرف الدین کو ساتھ میں شامل رکھا تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ مرید کس کے تھے اور وفات کب ہوئی البتہ بدایوں میں وفات پائی۔ حضرت سلطان العارفین صاحب کے مزار کے جانب غرب بگوشۂ جنوب تقریباً سوا سو گز کے فاصلہ پر بڑی زیارت کے بن میں مدفن ہے۔ اغلباً ساتویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی۔

حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے جدّ بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مکّہ معظّمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی اور ملتان ہی میں انہوں نے شادی کی۔ یہاں ان کے فرزند مولانا وجیہہ الدین محمد تولّد ہوئے۔ ان کی بھی شادی ملتان میں

ہوئی اور یہیں ان کے فرزند حضرت زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت زکریا بارہ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کیا۔ اس کے بعد سات سال تک خراسان میں اور آٹھ سال تک بخارا میں تحصیل علم کرتے رہے۔ بخارا سے حج کے لئے مکۂ معظّمہ گئے۔ وہاں سے روضۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے۔ پانچ سال تک جوارِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلم میں مجاوری کی اور وہاں پر جلیل القدر محدّثین سے حدیث شریف پڑھی اور مجاہدات کیئے۔ تکمیل علوم سے فراغت کے بعد بغداد جا کر حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی بیعت وصحبت سے فیض یاب ہوئے اور خرقۂ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے فرمایا ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا نے سترہ ۱۷ دنوں میں اپنے شیخ سے وہ نعمتیں حاصل کرلیں جو دوسرے برسوں میں حاصل نہ کر سکے۔ جب قدیم مریدوں اور صحبت پانے والوں کی یہ بات حضرت شیخ الشیوخ نے سُنی تو ان سے جواباً فرمایا کہ تم گیلی لکڑیاں لائے تھے اور گیلی لکڑی آگ کب پکڑتی ہے۔ البتہ زکریا سوکھی لکڑی لایا تھا جس نے ایک پھونک میں آگ پکڑلی یعنی اوروں کو گیلی لکڑیوں کی مانند کہا اور حضرت زکریا کو سوکھی لکڑی سے مثال دی۔

الغرض حضرت بہاؤالدین زکریا حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر واپس ملتان آئے اور یہیں توطّن اختیار فرمایا اور مخلوق کی رشدوہدایت میں مشغول

ہو گئے۔ آپ کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے۔ آپ کو حضرت بابا فرید الدین شکر گنج سے بھی خصوصی محبت اور ربط تھا۔ بعد وصال آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین ملتانی سجّادہ نشین ہوئے۔ پھر شیخ صدر الدین کے فرزند شیخ رکن الدین شاہ رکن عالم نے آپ کے سجّادہ کو رونق بخشی۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے ۷ صفر ۶۶۶ھ مطابق ۱۲۶۶ء میں وفات پائی۔ مزار مبارک ملتان میں ہے۔ شیخ صدر الدین کا مزار وہیں پر آپ کے پائین مزار ہے۔ شیخ رکن الدین المعروف بہ شاہ رکن عالم کی قبر شریف علیحدہ ایک نہایت شاندار مقبرہ میں ہے۔ ان کا مقبرہ آپ کے جدّ بزرگوار کے مزار سے پہلے نزدیک ہی ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین شاہ رکن عالم اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے حسب وصیّت ان کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی تھی جسے حضرت شاہ رکن عالم نے اپنے لئے ایک خاص شرف سمجھا۔

حضرت مولانا سیّد علاؤالدین اصولی

مولانا علاؤالدین بڑے درجہ کے عالم وفاضل، صاحب نسبت وتصرف اور کامل بزرگ تھے۔ آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے استاد ہیں۔ آپ کی عالمانہ فضیلت مسلّمہ ہے۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ کم وبیش دو سال کی عمر میں والدین کے ساتھ بدایوں پہنچے۔ یہیں تعلیم وتربیت کے جملہ مراحل

طے کئے۔ نسباً سادات حسینی سے جعفر صادق کی اولاد میں تھے۔

مولانا علاؤالدین کے والد ماجد سیّد شرف الدین اعلیٰ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید وخلیفہ تھے۔ قُبا مدینہ منوّرہ سے اواخر چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آئے۔ اوّل لاہور آ کر ٹھہرے۔ پھر قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں ۶۰۵ھ میں بدایوں تشریف لائے۔ اس وقت شمس الدین التمش بدایوں کی نظامت پر فائز تھے۔ مولانا اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان ہی سے نقوی قُبائی سلسلۂ نسب قائم ہے۔ آپ کی اولاد میں بہت صاحب علم وفضل اور صاحب ثروت وحشمت گزرے ہیں۔ بدایوں کے ایک نامور بزرگ مولانا دلدار علی مذاق میاں صاحب آپ کی اولاد کے نواسوں میں تھے۔ بدایوں کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی آپ کی نسل پائی جاتی ہے۔ ان میں سے بعض نے طریقۂ امامیہ اختیار کرلیا ہے۔ جائس اور لکھنؤ کے ممتاز ومعزز شیعہ علماء اور مجتہد آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔ سیّد شرف الدین اعلیٰ کی تاریخ وفات ۲ جمادی الثانی ۶۱۴ھ ہے۔ حاجی جمال ملتاں صاحب کے مزار سے جانب غرب تھوڑے فاصلے سے ایک اونچے ٹیلے پر جسے چندنا سادات کہتے ہیں آپ کا مزار ہے اور وہاں آپ کی اولاد سے دیگر سادات کی بھی قبریں ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی سے منقول ہے کہ ایک روز مولانا علاؤالدین بدایوں میں اپنے گھر کے قریب کی گلی سے گزر رہے تھے جب

وہ لڑکا تھے۔ رستے میں شیخ جلال الدین تبریزی اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ کی نظر مولانا علاؤالدین پر پڑی۔ انہوں نے ان کو اپنے پاس بلایا اور اپنا جامہ یعنی جو کپڑے وہ خود پہنے ہوئے تھے ان کو پہنا دیئے۔ آپ کے تمام اوصاف واخلاق اور بزرگی اس جامہ کی برکت سے تھے البتہ آپ کسی کے مرید نہ تھے۔

حضرت محبوب الٰہی صاحب نے فرمایا کہ مولانا علاؤالدین بہت بڑے بزرگ تھے۔ فقر وفاقہ اور توکل کا کمال ان کو حاصل تھا۔ کسی سے کبھی کوئی چیز قبول نہ کرتے مگر وقت حاجت کوئی کچھ لاتا تو اس میں سے بقدر حاجت لے لیتے۔ تین دن تک بھوکے رہتے تھے۔ چنانچہ سبق پڑھاتے میں موںہہ سے جھاگ آتے تھے اور وہ سحری برائے نام کرتے تھے اور فرمایا کہ آدمی جب تک اپنے اوپر تنگی وارد نہ کرے آسائش نہیں پاتا۔ خوب کھانے اور خوب سونے سے کام نہیں چلتا۔ کسی بزرگ نے کہا ہے، کھانا پینا زندہ رہنے اور خدا کا ذکر کرنے کے واسطے ہے، تیرا اعتقاد ہے کہ زندگی صرف کھانے پینے کے لئے ہے۔

ایک موقع پر حضرت محبوب الٰہی صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ مولانا علاؤالدین کے یہاں ایک نئی خریدی ہوئی بوڑھی کنیز تھی اور یہ کنیز اس گانوں کی تھی جو بدایوں سے نزدیک تھا اور اس جگہ کو کٹھیر کہتے تھے۔ ایک روز یہ کنیز رو رہی تھی۔ مولانا نے اس سے پوچھا کہ کیوں روتی ہے۔ اس نے کہا میرے

ایک لڑکا ہے اور میں اس سے جدا ہوگئی ہوں۔ مولانا نے کہا، اگر تجھے حوض کے نزدیک لے جاؤں کہ جو ایک کوس اس شہر سے ہے اور کٹھیر کے راستے میں ہے تو اس جگہ سے تو اپنے گھر کا راستہ جانتی ہے۔ اس نے کہا جانتی ہوں۔ مولانا صبح کے وقت اس کو گھر سے باہر لائے اور اس حوض کے کنارے تک لے گئے اور اس کو چھوڑ دیا یعنی آزاد کر دیا۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب یہ بات فرما کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ علمائے ظاہر اس معنی (یعنی حقیقت حال) کے منکر ہوتے ہیں۔ کاش جان سکتے کہ انہوں (مولانا علاؤالدین) نے کیا کیا۔

مولانا علاؤالدین اصولی کی تاریخ وفات شنبہ ۹ رجب ۶۶۲ھ ہے۔ مادّہ تاریخ وفات ''متبرّک'' ہے۔ آپ کا مزار کوہان کی شکل کا ہے اور حضرت سلطان العارفین صاحب کی زیارت کے جوار میں جانب مشرق مائل بہ جنوب تقریباً ۶۰ گز کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے مزار کے مشرق میں ۳۔۴ گز کے فصل سے مولانا سیّد یونس علی صاحب محدّث بدایونی کا مزار ہے جن کا وصال ۳ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۴۰ء بروز چہار شنبہ ہوا۔ تدفین ۴ صفر مطابق ۱۴ مارچ بروز پنجشنبہ ہوئی۔

دو بھائی بداؤں میں تھے۔ ایک شاہی موئے تاب، دوسرے شیخ ابوبکر موئے تاب
شیخ ابوبکر کو میں نے دیکھا ہے لیکن شیخ شاہی کو میں نے نہیں دیکھا ہے

''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ''

دو سرکاریں

حصہ دوم

چھوٹے سرکار حضرت خواجہ سید بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب

کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی

فہرست مضامین

نمبر شمار			صفحۂ آغاز
۱۔	قطعۂ تاریخ طبع		۲۰۱
۲۔	نام۔لقب۔خاندان۔ تحصیل علم۔نسبت طریقت		۲۰۲
۳۔	تحقیق سال ولادت ووفات		۲۰۳
۴۔	موضوع روایات کا تجزیہ		۲۱۱
۵۔	تحقیق شجرۂ نسب		۲۱۶
۶۔	سوانح حیات	ابتدائیہ اقتباس سلک السّلوک اقتباس کشف الغطاء حلیہ مبارک۔مراسم عرس واقعات کرامت وتصرّف	۲۱۹
۷۔	تعمیر زیارت ودیگر متعلقہ تعمیرات		۲۴۴
۸۔	جائداد موقوفہ		۲۵۳
۹۔	مناقب مصنفہ مذاقؔ میاں صاحبؒ		۲۵۵

۱۰۔	مختصر حال ان بزرگوں کا جن کا نام یا ذکر حضرت شاہ ولایت صاحب کے حالات میں شامل ہے۔	سیّد بدیع الدین شاہ مدار	۲۶۱
		شیخ عبداللہ صوفی شطّاری	
		شیخ جلال الدین کاسی	
		مخدوم شیخ عبداللہ رَسولوی	
		حضرت شاہ اوجیالے شاہ صاحب	
		حضرت مرزا بادل بیگ صاحب	
		میاں محمد سعید خاں صاحب	

قطعۂ تاریخ طبع

''دوسرکاریں'' حصہ دوم حالات چھوٹے سرکار شاہ ولایت صاحب

تاریخ لکھیں گے آن نئی ہم ''دوسرکاریں'' چھپنے کی
خوبی سے ہو قمری سال رقم یا شاہ ولایت بدرالدین

۱ ۴ ۲ ٦

حرفوں کے عدد جب جمع کریں چودہ سو چھبیس آ جائیں
الفاظ تصرّف سے ہوں بہم یا شاہ ولایت بدرالدین

دیکھا تو سنِ ہجری نکلا بے ساختہ لب پر جب آیا
''اب کیجیے ہم پہ آپ کرم یا شاہ ولایت بدرالدین''
۱ ۴ ۲ ٦ ھ

خالد ظفر ایڈووکیٹ برادر خورد مؤلف

از شکاگو ۔ امریکا۔

حضرت شاہ ولایت صاحب

ولادت ۵۹۵ھ بمقام ملتان　　　　وفات ۶۶۷ھ بمقام بدایوں

۲۱ رمضان یوم جمعہ

نام، لقب، خاندان، حضرت شاہ ولایت صاحب کا اسم گرامی بدرالدین
بیعت وخلافت، ابوبکر موئے تاب ہے۔ جامع مسجد شمسی بدایوں میں
تحصیل علم۔ معتکف تھے کہ ایک روز ہاتف غیبی نے بدرالدین
کہہ کر پکارا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے 'صاحب ولایت بدایوں' کہہ کر خطاب فرمایا اسی لئے شاہ ولایت کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابوبکر اصل نام ہے۔ موئے تاب اس لئے لقب پڑا کہ بالوں کی رسیاں بنا کر بسر اوقات فرماتے تھے۔ آپ سادات جعفری سے ہیں۔ حضرت سیّد اعز الدین احمد کے چھوٹے بیٹے اور اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی موئے تاب کے سہروردیہ سلسلے میں مرید وخلیفہ اور جانشین تھے۔ چشتیہ سلسلے کی نعمت وخلافت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے حاصل ہوئی۔ حضرت قاضی حسام الدین ملتانی عرف حاجی جمال ملتان صاحب سے علم ظاہری کی تکمیل کی۔ آپ کے علاوہ دو بڑے بھائیوں اور ایک بہن پر آپ کا خاندان مشتمل تھا۔ اپنے والدین اور بہن بھائیوں اور استاد کے ہمراہ ۶۰۲ھ یا ۶۰۳ھ میں بزمانۂ نظامت شمس الدین التمش بدایوں آئے۔

تحقیق سال ولادت اور سالِ وفات حضرت شاہ ولایت صاحب کے سال ولادت سے متعلق کسی تاریخی حوالے سے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں سب تذکرے خاموش ہیں لیکن مقام ولادت کے بارے میں بعض روایتیں ملتی ہیں۔اب سے تقریباً ستّر اسّی سال قبل کے ایک مطبوعہ تذکرے ''شاہ ولایت'' کے جامع قاضی غلام سجّاد بسمل نے لکھا ہے'' کہ آپ کی ولادت ملتان میں ہوئی اور وہیں رہ کر نشوونما پائی۔حضرت قاضی حسام الدین ملتانی ملقب بہ حاجی جمال ملتاں صاحب سے تعلیم پاتے ہوئے مع استاد کے ہمراہی پدر بزرگوار خواجہ سیّد اعز الدین احمد سہروردی قدّس سرّہٗ بدایوں تشریف لائے اور یہیں رہ کر تکمیل علوم فرمائی''۔قرینۂ واقعات کی بنا پر اگر ۵۹۴ھ کو آپ کے والدین کی ہندوستان میں آمد کا سال قرار دیں تو حضرت شاہ ولایت صاحب کا سال ولادت ۵۹۵ھ متعین کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولایت صاحب کی تاریخ وفات بعض تذکرہ نگاروں نے ۶۹۰ھ تحریر کی ہے لیکن تذکرۃ الواصلین کے فاضل مصنّف کا خیال ہے کہ ۶۰۰ھ اور ۶۵۰ھ کے درمیان آپ کی وفات ہوئی۔آثار بدایوں کے فاضل مصنّف نے بھی ساتویں صدی ہجری کے پہلے نصف کے اندر یعنی ۶۵۰ھ کے لگ بھگ آپ کا زمانۂ وفات بتایا ہے۔لیکن حقائق وشواہد اور بعض متواتر روایتیں ان سب بیانات کی نفی کرتے ہیں۔

خیر المجالس مجلس ۶۲ میں حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی زبانی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا یہ ارشاد ملتا ہے ''فرمودند کہ از خدمت شیخ قدّس سرّہٗ شنیدہ ام کہ دو برادر بودند در بداؤں۔ یکے شاہی موئے تاب، دوم شیخ ابوبکر موئے تاب۔ شیخ ابوبکر را دیدہ ام امّا شیخ شاہی موئے تاب راندیدہ ام۔ شیخ ابوبکر چہ حال داشت در سماع کہ خدمت خواجہ بسیار تعجب کردند''۔

ترجمہ: حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کی زبانی سنا ہے کہ دو بھائی بداؤں میں تھے۔ ایک شیخ شاہی موئے تاب اور دوسرے شیخ ابوبکر موئے تاب۔ شیخ ابوبکر موئے تاب کو میں نے دیکھا ہے مگر شیخ شاہی موئے تاب کو میں نے دیکھا نہیں ہے۔ شیخ ابوبکر موئے تاب کا سماع میں کیا ہی عجیب حال ہوتا تھا کہ ہمارے خواجہ حضرت نظام الدین اولیا از حد تعجب فرماتے تھے۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے قیام بدایوں تک حضرت شاہ ولایت صاحب بقید حیات تھے۔ مصنف سیر الاولیا کے بیان کے مطابق حضرت محبوب الٰہی صاحب کا سال ولادت ۶۳۶ھ اور سولہ سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی جانا تسلیم کرلیا جائے تو ۶۵۲ھ تک حضرت شاہ ولایت صاحب بقید حیات ہوں گے۔ اسی سال ولادت کے ساتھ سیر العارفین کی روایت کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں حضرت محبوب الٰہی صاحب

کا بدایوں سے دہلی جانا تسلیم کریں تو یہ ثابت ہوگا کہ ۱۶۶۱ھ تک حضرت شاہ ولایت صاحب کی وفات نہیں ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں دوسری صحیح روایت کے حساب سے حضرت محبوب الٰہی صاحب کا سال ولادت ۱۶۳۱ھ اور ۳۰ سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی روانگی کو درست قرار دیں تو بھی ۱۶۶۱ھ تک حضرت شاہ ولایت کا بقید حیات ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔

اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے فوائد الفواد جلد ۴ مجلس ۳۶ بروز منگل ۱۰ ذیقعد ۷۱۹ھ کے ایک اس اقتباس سے بھی استفادہ کرنا ضروری ہے۔

''ازاں جا سخن برادراو (شیخ شاہی موتاب) خواجہ ابوبکر موئے تاب افتاد رحمتہ اللہ علیہ۔ مولانا سراج الدین حافظ بداؤنی کہ مرید خاص است تقریر کرد کہ شبے خاستہ بود بہ تجدید وضو کرد و رکعتین بگزاردو برحمت حق پیوست! خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر برلفظ مبارک راند ''کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ'' ترجمہ:۔ جیسی زندگی ویسی موت۔ یہاں سے یعنی اس کے بعد اُن (شیخ شاہی موتاب) کے بھائی خواجہ ابوبکر موئے تاب رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر شروع ہوگیا۔ مولانا سراج الدین حافظ بدایونی کو جو مرید خاص ہیں، کہنے لگے یعنی انہوں نے بتایا کہ ایک رات انہوں (خواجہ ابوبکر موئے تاب) نے اُٹھ کر تازہ وضو کیا اور دو رکعتیں ادا کر کے رحمت حق سے واصل ہوگئے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ نے اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، زبان مبارک سے فرمایا'' کَمَا تَعِیْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ''

یعنی جیسی زندگی ویسی موت، گویا تم جیسی زندگی گزارتے ہو اسی طرح سے تم کو موت آئے گی۔

اس حوالے کے مزاج سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولایت صاحب کے وصال کے وقت مولانا سراج الدین حافظ بدایونی بدایوں ہی میں موجود تھے اور انہوں نے اس واقعہ کو سمجھ کے ساتھ قریب سے دیکھا یا سنا ہوگا اور اس وقت ان کی عمر کم سے کم ۱۱۔۱۲ سال کی ضرور ہوگی۔ مزید برآں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی صاحب نے یہ تفصیل پہلی مرتبہ ان ہی سے دہلی میں سماعت فرمائی۔ چنانچہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے بدایوں سے دہلی روانگی کے وقت یعنی ۶۶۱ھ تک حضرت شاہ ولایت صاحب بقید حیات تھے۔

فوائد الفواد کی تالیف کے ۳۰ سال بعد سیر الاولیا کے مصنّف نے سراج الدین عرف اخی سراج کا نام حضرت محبوب الٰہی صاحب کے خلفاء کی فہرست میں شامل کر کے خاصی تفصیل دی ہے۔ بعد کے تذکروں میں اخی سراج کا حال سیر الاولیا کے بیان کے مطابق نقل کیا گیا ہے لیکن بعض مورخین نے اس تفصیل سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا کیونکہ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے ملفوظات فوائد الفواد میں اخی سراج کے نام سے کسی کا ذکر نہیں ملتا۔ فوائد الفواد میں سراج الدین نام کے صرف تین صاحبوں کا ذکر آیا ہے۔ تفصیل اس کی

حسب ذیل ہے:

(۱) **سراج الدین:** یہ بابا فرید گنج شکر کے مرید اور قصبہ ابوہر کے ساکن تھے۔ فوائد الفواد میں صرف ایک جگہ یہ نام آیا ہے۔

(۲) **مولانا سراج الدین ترمذی:** ان کا تذکرہ فوائد الفواد کی دو مجلسوں میں ہے۔ بحوالہ جلد ۴ مجلس ۵۹ دوشنبہ ۱۸ محرم ۷۱۹ھ و جلد ۴ مجلس ۶۷ دوشنبہ ۲۳ رجب ۷۱۹ھ۔

فوائد الفواد جلد ۴ مجلس ۶۷ میں حضرت محبوب الٰہی صاحب نے ان کے متعلق اس طرح بیان فرمایا ہے۔ "بدایوں میں ایک بزرگ تھے جنہیں مولانا سراج الدین ترمذی کہتے تھے۔ وہ اس نیّت اور ارادے سے مکّہ معظّمہ گئے کہ اگر وہاں موت آئی تو وہیں مدفن ہوگا۔ جب وہ زیارت کعبہ کے لئے گئے اور اس سعادت سے سرفراز ہوئے تو پھر واپس بدایوں آکر سکونت اختیار کر لی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کیا اس نیّت سے نہیں گئے تھے کہ آپ وہاں رہیں گے اور جب آپ کی وفات ہوگی تو وہیں دفن ہوں گے۔ آپ نے کہا، ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن ہوا یہ کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مختلف اطراف سے جنازے لائے جارہے تھے اور ان جنازوں میں جو مُردے تھے ان کو مکّہ میں دفن کیا جارہا تھا اور بعض مُردے جو کہ مکّہ میں دفن تھے ان کو اس جگہ سے نکال کرلے جایا جارہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے مجھ سے کہا گیا کہ وہ لوگ جو اس جگہ کی اہلیت رکھتے ہیں وہ خواہ کہیں دور مقامات پر وفات پا چکے ہیں ان کے لئے

فرمان ہے کہ انہیں یہاں لائیں اور جو اس مقام کے لائق نہیں اگر چہ یہاں دفن ہیں ان کے لئے حکم ہے کہ انہیں ادھر ادھر یعنی بیرون مکہ لے جائیں۔ مولانا سراج الدین ترمذی نے کہا کہ جب مجھے اس امر کی تحقیق ہوگئی تو بدایوں لوٹ آیا۔ اس بناء پر کہ اگر (بدایوں میں رہ کر بھی) میں اس جگہ کے لائق ہوں گا تو میری غرض حاصل ہو جائے گی"۔ ان کا مزار حضرت شاہ ولایت صاحب کے مزار کے قریب چند گز کے فصل سے جانب جنوب و غرب درگاہ کے اندر ہے۔

(۳) **مولانا سراج الدین حافظ بداؤنی:** فوائد الفواد میں دو مقامات پر ایک ہی مجلس میں ان کا ذکر آیا ہے۔ بحوالہ جلد ۴ مجلس ۳۶ سہ شنبہ ۱۰ ذیقعد ۷۱۶ھ اور ان کے نام کے ساتھ خاص طور پر "کہ مرید خاص است" کے الفاظ شامل ہیں۔ ان کے سوا یہ خصوصی الفاظ کسی بھی دوسرے نام کے ساتھ شامل نہیں ملتے لیکن سیر اولالیا میں حضرت محبوب الٰہی صاحب کے مریدوں کی فہرست میں جو صرف ۱۹ ناموں پر مشتمل ہے ان کا تذکرہ سرسری طور پر اس طرح ہے کہ "مولانا سراج الدین حافظ بداؤنی" بہ لطافت طبع و فضل بسیار و بہ اعتقاد خوب و موصوف بود"۔ تحقیق کی روشنی میں یہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت محبوب الٰہی صاحب کے مرید خاص تھے اور جنہیں سیر الاولیا میں سراج الدین عرف اخی سراج اور آئینہ ہندوستان کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ان کا وطن و مولد بدایوں تھا، بعدہٗ اودھی کے نام سے بھی موسوم ہوئے۔ چنانچہ خزینۃ الاصفیا کے مصنف نے اخی سراج کو بدایونی

ہی لکھا ہے۔ تذکرۃ الواصلین کے مصنف بھی اخی سراج کے حال میں یہ لکھتے ہیں کہ "فوائد الفواد میں مولانا سراج الدین حافظ بدایونی کا جو ذکر ہے وہ ان ہی بزرگ سے مراد معلوم ہوتی ہے۔ وہ شروع جوانی میں کہ ہنوز داڑھی مونچھ کا آغاز نہیں ہوا تھا (یعنی از حد ۱۳۔۱۴ سال کے ہوں گے) حضرت محبوب الٰہی کے مرید ہونے کے لئے بدایوں سے دہلی گئے اور بیعت ہونے کے بعد مستقل طور سے مرشد کی خدمت ہی میں زندگی بسر کی۔ وہیں تعلیم و تربیت کے جملہ مراحل طے کئے۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے وصال ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کے بعد ۳ سال تک دہلی ہی میں رہے۔ بعدہٗ حضرت مخدوم نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے زمانۂ سجّادگی میں دہلی سے رخصت ہوکر بدایوں اور اودھ ہوتے ہوئے لکھنوتی (بنگال) میں جا کر مقیم ہو گئے۔ اسی جگہ وصال فرمایا وہیں گور پیران سعداللہ پور مالدہ میں ان کا مزار ہے۔ مخدوم نصیرالدین محمود چراغ دہلوی انہیں اخی کہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اخی سراج کے نام سے شہرت پائی۔ تذکرۃ الواصلین اور خزینۃ الاصفیا میں ان کا سال وفات ۷۵۸ھ لکھا ہے اور سال ولادت ۶۵۶ھ ہے ۔۱۰۲ سال کی عمر ہوئی۔ اندازاً ۱۴۔۱۵ سال کی عمر میں جب بدایوں سے دہلی گئے تو ۶۷۰ھ یا ۶۷۱ھ ہو گا۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب کے بدایوں سے دہلی روانگی کے وقت ۶۶۱ھ میں وہ تقریباً پانچ برس کے ہوں گے اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے وصال کے وقت ان کی عمر ۱۱۔۱۲ سال کے قریب ہو گی اور

۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ ہوگا۔

فوائد الفواد کے حوالۂ بالا مورخہ ۱۰ ذیقعد ۷۱۶ھ کے پیش نظر جب مولانا سراج الدین حافظ بدایونی نے حضرت شاہ ولایت صاحب کی وفات کا حال بیان کیا تو اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال ہوگی اور بدایوں چھوڑے ہوئے ۴۵۔۴۶ سال گذر چکے ہوں گے۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولایت صاحب ۶۶۹ھ یا ۶۷۰ھ تک وفات پا چکے تھے یعنی ۶۶۷ھ تا ۶۷۱ھ کے درمیانی عرصے میں سے کوئی سال حضرت شاہ ولایت صاحب کی وفات کا سال ہوگا اور وہ زمانۂ غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت کا تھا۔ اس بحث کی روشنی میں ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ کو حضرت شاہ ولایت صاحب کے وصال کا سال کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت آپکی عمر ۷۲۔۷۳ سال ہوگی۔ اپنے مرشد اور بڑے بھائی حضرت شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین صاحب کے وصال کے وقت ۶۲۸ھ میں ۳۳ سال کے قریب ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے جانشین صاحب سجّادہ کی حیثیت سے ۳۹۔۴۰ سال عالم اجسام میں گزرے۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وصال ۶۳۵ھ کے بعد ۳۲ سال تک جہان آب وگل میں جلوہ افروز رہے۔ اکثر راویوں نے آپ کی وفات کے مختلف سنین لکھے ہیں اسکے ساتھ ۲۱ رمضان یوم جمعہ بھی کہا ہے لیکن مذکورہ سنین میں سے صرف ۶۶۷ھ میں ۲۱ رمضان کو جمعہ کا دن تھا۔ اس لئے یہی سال وفات صحیح ہوسکتا ہے۔

موضوع اور ناقابل اعتبار روایتوں کا تجزیہ:

تذکرہ شاہ ولایت کے مصنف نے عظمت الاولیا اور طبقات الاولیا کے حوالے سے حضرت شاہ ولایت صاحب کا سال وفات ۶۹۰ھ بتایا ہے اور اسی تذکرے میں کسی دوسرے حوالے سے آپ کے وصال، تجہیز وتکفین اور تدفین کے بارے میں ایک عجیب طرح کی تفصیل نقل کی ہے جس کو درست مان لیا جائے تو بھی یہ بات ۶۹۰ھ سے ۱۸۔۲۰ سال پہلے کی ہوسکتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ روایت مع حوالے کے موضوع ہے۔ حوالۂ مذکور کی روایت مِن وعَن حسب ذیل ہے:

''مصباح السالکین فی اذکار سلطان التارکین میں جو ملفوظات شیخ حمید الدین صوفی چشتی ناگوری کے ہیں' ان کے خلیفہ اور نبیرہ شیخ فرید الدین چاک پرّاں (چاک پرّاں ان کا لقب نہیں تھا) چشتی دہلوی لکھتے ہیں کہ ایک جلسہ میں میرے شیخ فرمانے لگے کہ مجھے خواجہ وحید چشتی المعروف بہ پیر بودلہ بدایونی' شیخ بدرالدین صاحب ولایت بدایونی کی تجہیز وتکفین کے وقت اپنی موجودگی بتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے وصال کے بعد گلاب خادم نے ان کا کفن سِیا تھا اور رمضانی خادم نے غسل کے لئے پانی گرم کیا تھا اور شبراتی خادم نے لحد کھودی تھی اور خلیفہ جلدک سر خیل اور خلدک سر خیل نے تختہ پر لٹایا تھا اور شیخ فخرالدین خادم نے ناک، کان اور مونہہ میں روئی رکھی تھی اور

مولانا ضیاءالدین نخشبی نے پانی ڈالا تھا اور مجھ فقیر (خواجہ وحید چشتی عرف پیر بودلہ) نے نہلایا تھا اور شانہ کیا تھا۔ پھر خلیفہ جلدک سر خیل اور خلدک سر خیل نے چٹائی پر سے اٹھا کر چارپائی پر رکھا تھا اور شیخ فرید الدین خادم اور ان کے دونوں بیٹے نصیر الدین اور شہاب الدین اور ایک قلندر برقع پوش چارپائی اٹھا کر باہر لائے تھے۔ یہاں سے ملک مغلتی، حافظ ناظم بدایوں اور شیخ حمید الدین گنوری (آمد بدایوں ۸ ۶۷ھ، وفات ۱۷ رمضان ۷۱۱ھ) اور ان کے فرزند قاضی شہر مولانا صدر الدین وقت باقی گنوری اور شیخ فخر الدین خادم، یہ چاروں بزرگ اپنے اپنے کاندھوں پر جنازہ رکھ کر ایک انبوہ کثیر کے ساتھ عید گاہ شمسی کو لے گئے تھے۔ راستہ بھر ان چاروں بزرگوں نے پایہ پکڑے نیگام رفتار عید گاہ شمسی تک پہنچ کر ایک قرآن بھی ختم کر لیا تھا۔ پھر عید گاہ شمسی کے فرش پر جنازہ رکھ کر حسب اجازت شیخ فخر الدین خادم، قاضی شہر مولانا صدر الدین وقت باقی گنوری بدایونی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ پھر ناظم بدایوں اور قاضی شہر اور ان کے والد ماجد اور شیخ فخر الدین خادم انہی چاروں نے جنازہ قبر میں اتار کر دفن کیا تھا۔ اسی وقت شیخ حمید الدین گنوری کہنے لگے کہ اب میں سمجھا کہ شیخ مرحوم نے ہم سے یہی کام لینے کے لئے وقت موعود کیا تھا۔ اس وقت کا ہجوم اندازہ سے باہر تھا۔ نہ معلوم کہاں کہاں کے مشائخ، قلندر اور مجاذیب آ گئے تھے۔ سوئم تک انہی لوگوں سے خانقاہ بھری رہی تھی۔ بعد سوئم سب واپس چلے گئے۔"

سطور بالا میں منقول روایت کے مندرجات پر کسی تبصرہ کے بغیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان التارکین اور ان کے ملفوظات کے متعلق تھوڑا بہت تذکرہ کر دیا جائے تا کہ حضرت شاہ ولایت صاحب کے زمانۂ وفات کے سلسلے میں قارئین کو کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ہو۔ حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی سعیدی سوالی ناگوری خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی سنجری اجمیری کے مرید اور بزرگ خلیفہ ہیں۔ سلطان التارکین کا لقب عطائے مرشد ہے۔ متقدمین مشائخ ہند سے ہیں۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ فتح دہلی کے بعد جو کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا وہ میں ہوں۔ اخبار الاخیار کے مصنف شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے سعید بن زید جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں ان کی اولاد میں ہونے کو سعیدی کی وجہ تسمیہ بتایا ہے۔ گلزار ابرار کے مصنف مولانا محمد غوثی شطّاری کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ شیخ احمد تارک لاہوری کے بیٹے تھے۔ شیخ احمد تارک، ابراہیم کے، ابراہیم محمد کے اور محمدؐ سعید فاروقی کے بیٹے تھے کہ جو فاروق اعظم کی نسل میں ہیں۔ انہیں سوالی اس لئے کہتے ہیں کہ موضع سوالی یا سوال مضافات اجمیر یا ناگور کے باشندہ تھے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ تصوف کی مشکلات کے بارے میں آپ سوال و جواب بہت کیا کرتے تھے اس لئے سوالی کے ساتھ شہرت ہوگئی۔ سلوک و تصوف میں بہت سے رسالے آپ کے تصنیف کردہ ہیں۔ شعر و نظم میں بھی آپ کا کلام بلاغت نظام ہے۔ ناگور میں

ان کی ملکیت میں جو کاشت کی زمین تھی اس پر وہ خود ہل چلا کر کاشت کرتے جس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بسر اوقات کرتے تھے۔ طویل عمر پائی۔ سلخ ۲۹ ربیع الثانی ۶۷۳ھ آپ کی تاریخ وصال ہے۔ عرس یکم جمادی الاوّل سے شروع ہوتا ہے۔ مزار مبارک ناگور سابق ریاست جودھپور مارواڑ میں ہے۔

سلطان التارکین کے دو بیٹے تھے۔ شیخ عبدالعزیز اور شیخ مجیب۔ بڑے لڑکے شیخ عزیز کے تین فرزند تھے، شیخ وحید الدین احمد، شیخ فرید الدین محمود اور شیخ نجیب الدین قاسم۔ شیخ فرید الدین اپنے جدّ بزرگوار کے مرید اور نامزد کردہ جانشین وخلیفہ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ سُرورالصّدور آپ کی ہی ترتیب دی ہوئی ہے۔ ان کے سات فرزند تھے جن میں ایک شیخ عزیز بھی تھے۔ بعض کے نزدیک ''سرورالصّدور ونورالبُدور'' انہی کی تصنیفات میں سے ہے اور بعض شیخ اَوحد کی تالیف سے سمجھتے ہیں جو شیخ عزیز سے بڑے تھے۔ بعض شیخ سعید کی تالیف سے کہتے ہیں جو شیخ عزیز کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بہر تقدیر کتاب مذکور شیخ فرید الدین یا ان کے فرزندوں میں سے کسی ایک کی تصنیف ہے۔ یہ تفصیل گلزار برار کے مصنف مولانا محمد غوثی شطّاری نے لکھی ہے۔ شیخ فرید الدین نبیرہ سلطان التارکین، سلطان محمد تغلق کے عہد میں ناگور سے دہلی آئے اور جے منڈل قدیم شہر دہلی کے مشرق میں سکونت اختیار کی۔ وہیں خوابگاہ بنی۔ یہ مقام قطب الاولیا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک کے راستے

میں ہے۔گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ بہت سے خاص خاص فائدے اور لطیفے جو انہوں نے (شیخ فرید نے) اپنے پدر بزرگوار سے ۲۷ برس کے عرصے میں سنے تھے اس کتاب (سرور الصّدور) میں فراہم کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے (شیخ فرید الدین نے) خورد سالی میں جدّ اعلیٰ سلطان التارکین کی ملازمت کی ہے۔اس کے بعد لکھا ہے کہ "۲ ربیع الاوّل ۶۲۵ھ کو پدر عزیز نے حدیث اور دعوت کا اجازت نامہ عطا فرمایا۔جدّ اعلیٰ کا خرقہ پہنایا اور اپنی خاص کلاہ میرے سر پر رکھی اور اچھی اچھی دعائیں دے کر سرفراز کیا۔الغرض تذکرہ "شاہ ولایت" یا کسی دوسرے تذکرے میں مندرج سلطان التارکین سے منسوب اس بیان کی عدم صحت وغیرہ سے قطع نظر یہ حوالہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت شاہ ولایت صاحب ۶۷۳ھ سے قبل وفات پا چکے تھے۔سلطان التارکین کے پوتے شیخ فرید نے اپنے دادا کی وفات ۶۷۳ھ سے چار پانچ سال قبل کمسنی میں یہ بات اگر سنی ہو تب بھی ۶۹۰ھ تو کسی طور پر حضرت شاہ ولایت کا سال وفات نہیں ہوسکتا اور ۶۶۷ھ ہی سال وفات ہوگا۔کیونکہ اسی سال میں ۲۱ رمضان کو جمعہ کا دن تھا۔

شجرۂ نسب

۱۔ خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب

۲۔ سیّد اعزّ الدین احمد یمنی بخاری

۳۔ سیّد ابراہیم یمنی بخاری

۴۔ سیّد محمد سمعان

۵۔ سیّد احمد زکریا

۶۔ سیّد اسحٰق

۷۔ سیّد احسن

۸۔ سیّد معروف

۹۔ سیّد حسام الدین یمنی

۱۰۔ سیّد رشید الدین عرف سیّد رشید مدنی

۱۱۔ محمد۔ حسن۔ حسین:۔

اسماء نمبر۴ تا نمبر۱۰ اُس شجرۂ نسب کے مطابق ہیں جو کسی حوالے کے بغیر کم وبیش ۱۲۵ سال سے نقل چلا آتا ہے۔ باقی تفصیل نمبر۱۱ کے ذیل میں ہے۔

سیّد رشید نام کے کوئی فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم کے یا ان کے سگے بھائی اسحٰق بن امام جعفر صادق کے نہیں تھے حضرت خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب جعفری سیّد ہیں۔ اگر آپ امام موسیٰ کاظم

کی آل میں ہوتے تو کاظمی کہے جاتے۔

۱۲۔ ابومحمد اسحٰق بن امام جعفر صادق حضرت امام موسیٰ کاظم کے سگے بھائی

ابومحمد اسحٰق امام موسیٰ کاظم کے سگے بھائی ہیں۔ ان کی نسل محمدؔ۔ حسنؔ اور حُسینؔ تین فرزندوں سے جاری ہے۔ انہی میں سے کسی کی اولاد میں شیخ بدرالدین موئے تاب ہوں گے۔ حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی اور خواجہ ابوبکر موئے تاب کا منقول شجرۂ نسب دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت کے سگے بھائی ہونے کی وجہ سے ان کے اپنے نام کے ساتھ برادر امام موسیٰ کاظم تحریر میں آتا رہا ہے۔ بعد میں سہواً صرف امام موسیٰ کاظم کا نام لکھا چلا آیا۔ شجرہ نویسی وغیرہ میں اس طرز کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً طریقت کے شجرۂ قادریہ رزّاقیہ بانسویہ میں سیّد عبدالرّزّاق خلف غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد سیّد محمد بن

ابی صالح قادری اور حضرت سیّد محمد کے
بعد میر سیّد احمد برادر سیّد محمد بغدادی لکھتے
چلے آئے ہیں۔ خزینۃ الاصفیا اور ماضی
قریب کے ایک تذکرہ بزم صوفیہ میں
منجملۂ خلفاء حضرت خواجہ سیّد قطب الدین
بختیار کاکی، شیخ بدرالدین موئے تاب
برادر شیخ شاہی موئے تاب لکھا ہے۔
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایت
صاحب شیخ بدرالدین موئے تاب جعفری
سیّد ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ
حضرت امام جعفر صادق کے بعد ان
کے فرزندان میں سے منصب امامت پر
فائز امام موسیٰ کاظم کے علاوہ کسی دوسرے
فرزند کے سلسلۂ نسل سے ہیں۔

۱۳۔ حضرت امام جعفر صادق ۱۴۔ حضرت امام محمد باقر ۱۵۔ حضرت امام زین العابدین ۱۶۔ حضرت امام حسین علیہ السلام ۱۷۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ زوج بتول رضی اللہ عنہم۔

سوانح حیات

حضرت خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت

آپ کی ولادت بمقام ملتان اغلباً ۵۹۵ھ میں ہوئی۔نسباً جعفری سادات سے ہیں۔ابتدائی تعلیم ملتان میں ہوئی اور بدایوں میں آکر حاجی جمال ملتانی صاحب سے تکمیل علم کی۔اپنے بڑے بھائی حضرت سلطان العارفین صاحب شیخ شاہی موئے تاب سے سلسلۂ سہروردیہ کی بیعت وخلافت حاصل کی اور ان کے جانشین ہوئے۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے چشتیہ سلسلے میں بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے اور کامل خرقۂ خلافت پہنا اور انہی کے ارشاد کے حوالے سے آپ کو صاحب ولایت کہا گیا۔اسی بناء پر آپ کو شاہ ولایت کہتے چلے آئے ہیں۔۶۶۷ھ میں وفات ہوئی۔خوابگاہ بدایوں میں ہے جسے چھوٹی زیارت یا چھوٹی سرکار کہا جاتا ہے اور آپ کو چھوٹے میاں اور چھوٹے سرکار کہہ کر بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولایت صاحب کی سوانح حیات مرتّب کرنے کے لئے مواد کی کمی اور معلومات محدود ہونے کے باوجود میں نے اپنے ارادے کو تھک کر نہ بیٹھنے دیا۔قلم اٹھایا تو تحریر مقصد کی راہ دکھائی دینے لگی اور محسوس ہوا جیسے کوئی یہ کہہ رہا ہو ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(حافظ شیرازی)

ترجمہ: جس کا دل عشق سے زندہ رہا وہ کبھی مرتا نہیں ہے۔ اس کا دوام حیات صفحۂ عالم پر تحریر ہو جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو بزرگوں کے مزاروں پر شب وروز لوگوں کی آمد ورفت سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اکابر اولیا کی ابدی آرامگاہیں اس ''دوام حیات'' کا ایک جیتا جاگتا اور مونہہ بولتا ثبوت ہیں۔

حضرت شاہ ولایت صاحب کی بزرگی اور فیضان تصرف کے واقعات برس ہا برس سے مشہور چلے آتے ہیں اور فیضان تصرف کا جیسا سلسلہ آپ کی حیات ظاہری میں قائم رہا، وصال کے بعد بھی اسی طرح سے جاری اور قائم ہے اور آپ کی قبر اطہر کا قرب وجوار اجابت دعا کا ایک محلّ خاص تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کے مزار کی زیارت کے لئے ایک خلقت شب وروز اُمڈی چلی آتی ہے اور آنیوالوں کا کوئی شمار نہیں۔ بہر حال جس مفہوم ومعنی سے سطور بالا لبریز ہیں اس کی مزید وضاحت کے لئے ضیاء نخشبیؔ کی مشہور تصنیف ''سِلک السّلوک'' کی ایک سِلک نقل کرنا مفید از مطلب ہوگا اس لئے بھی کہ حضرت خواجہ شیخ ابوبکر موئے تاب کا اسم گرامی اور ذکر جمیل اس سلک کی اساس ہے۔

اقتباس سِلک السّلوک (فارسی)

سِلک پنجاہ وہشتم

معلوم آدمیان ومفہوم آدمیان کہ آدمی دریں سرائے دِدّوَر (درندہ صفت) بمنزلۂ مسافراست۔ امّا مسافرے کہ راہ سلوک گذاشتہ درچپ وراست می رَوَد۔ اے برادر درمنزل دنیا فروآمدۂ وایں منزل راخانۂ خود تصور کردۂ۔ مسافر اگر ہمہ دراثنائے راہ خانہ کند بکعبۂ مراد گے رسد۔ اے روندہ روندہ بہ ہرمنزلے کہ فرودآید باید کہ چنداں بگرید کہ خاک آں منزل راگل کند۔ اگرگویند کہ ایں چہ میکنی، گوید خاک ایں منزل راازغبارقدم آلودۂ خودمی شویَم۔ عاشقے رادید دریا دمعشوق آب ازدیدہ کشادہ زارزاری گریست۔ گفتند ایں چیست، گفت خاک کوئے محبوب راازمَشک اشک نم میزَنم تامیان من واُوروزے غبارے نہ خیزد۔ عزیزمن درایں راہ کہ تو قدم درونہادۂ ہیچ غبارے تیرہ ترازیں خاکی تو نیست اگرچہ درراہ مُعتاد آں نیکو کہ ایں غبارازمیانہ برخیزد۔ اندرانچہ شیخ ابوبکرموئے تاب کہ موئے درموئے خودکاری داشت ازیں عالم دراں عالم خواہدخرامید بندہ بہ عیادت اورفت۔ اوہرزماں این نظم کہ صد ہزار سر درو منتظم است می راند ؎

قالب چوغباراست میان من وتو   آمدگہ آنکہ ازمیاں برخیزد

وقتے شیخ المشائخ عبداللہ خفیف قدس اللہ روحہٗ بیمارشد۔ طبیبے برسروقت

اورسید، گفت ایُّھاالشّیخ مَاالعِلَّة ۔قَالَ الْوُجود ۔اذا زَالَ الْوُجُود زَالَتُ الْعِلَّة : قطعہ ؎

تخشبیؔ جسم کن چو روح لطیف از کثافت ہمیشہ پستی تُست
بہر قطع علائق دنیا پائے بندے کہ ہست ہستی تُست

ترجمہ: سلک ۵۸ سِلک السُّلوک مصنّفہ ضیاءالدین نخشبیؔ

سارے جہان کے لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں کہ آدمی اس سرائے دد ّور (درندہ صفت) میں مثل مسافر ہے' لیکن وہ مسافر کہ جس نے راہ سلوک ترک کی اور دائیں بائیں دوڑتا پھرتا ہے ۔اے بھائی تو منزل دنیا میں عارضی طور سے آیا ہے اور اسی منزل کو تو نے اپنا گھر تصور کرلیا ہے۔ مسافر اگر راستے ہی میں بالکل گھر بنالے تو کعبہ مراد تک کیونکر پہنچ پائے ۔اے چلنے والے تو چلتے چلتے جب بھی کسی منزل پر اُترے تو تجھے چاہیے کہ رورو کر اس منزل کی خاک کو گِل کردے (جیسے مٹّی کو پانی میں گوندھ دیا ہو) اگر لوگ پوچھیں کہ تو یہ کیا کرتا ہے تو جواباً کہے کہ میرے وجود کی آلودگی جو میرے غبار قدم سے اس زمین کو لگ گئی ہے اسے دھورہا ہوں ۔ایک عاشق کو دیکھا کہ اپنے معشوق کی یاد میں مسلسل آنسو بہا رہا تھا۔ لوگوں نے پوچھا' یہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں کوچۂ محبوب کی خاک کو مَشک اشک سے چھڑکاؤ دے رہا ہوں تاکہ میرے اور اس کے درمیان کسی دن بھی غبار نہ اٹھے۔ عزیز من اس راہ سلوک میں کہ جہاں

تو نے قدم رکھا ہے کوئی غبار تیرے خاکی وجود سے زیادہ تاریک نہیں ہے۔
اگر چہ اس راہ مُعتاد (عادت پڑا ہوا یعنی جس پر عادتاً چلنا پڑے) میں یہی اچھا ہے کہ یہ غبار درمیان سے اُٹھ جائے۔ چنانچہ اسی سے متعلق یہ بات ہے کہ شیخ ابوبکر موئے تاب جو کہ بالوں کی رسیاں بٹ کر اپنی گزر کرتے تھے جب اس عالم (دنیا) سے اُس عالم (عقبیٰ) کی طرف جانے والے تھے، بندہ (نخشبیؔ) ان کی عیادت کو گیا تھا اور وہ برابر یہ شعر پڑھے جا رہے تھے کہ جس میں ہزار ہا اسرار (چھُپے ہوئے مطلب، بھید) پروئے یا سمائے ہوئے ہیں ؎

قالب چو غبار است میان من و تو　　　آمد گہ آنکہ از میاں برخیزد

ترجمہ: میرا بدن میرے اور تیرے بیچ میں غبار کی مانند ہے یعنی ایک حجاب ہے۔
وہ گھڑی آئے کہ یہ غبار درمیان سے اُٹھ جائے یعنی وصال نصیب ہو۔

شیخ المشائخ عبداللہ خفیف قدّس اللہ روحہٗ بیمار ہوئے تو کوئی طبیب اس وقت وہاں پہنچا اس نے پوچھا یا شیخ آپ کو کیا تکلیف ہے تو انہوں نے فرمایا ''میرا وجود''۔ جب اس وجود کا زوال ہو یعنی وجود ختم ہو تو بیماری ختم ہو جائے گی۔

قطعہ ؎

نخشبیؔ جسم کن چو روح لطیف　　　از کثافت ہمیشہ پستی تُست
بہر قطع علائق دنیا　　　پائے بندے کہ ہست ہستی تُست

ترجمہ: اے نخشبیؔ جسم کو روح جیسا لطیف کرلے کثافت سے ہمیشہ

پستی میں رہے گا۔

علائق دنیا کو قطع کرنے میں، رکاوٹ صرف تیری ہستی ہے۔

نوٹ: حضرت شاہ ولایت صاحب شیخ ابوبکر موئے تاب وصال کے قریب جو شعر پڑھ رہے تھے گمان ہوتا ہے کہ وہ شعر انہی کا ہو۔ خواجہ شمس الدین حافظؔ شیرازی کا یہ شعر بھی اسی معنی ومفہوم کو واضح کرتا ہے ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظؔ ازمیاں بر خیز

ترجمہ: عاشق اور معشوق کے بیچ میں کچھ حائل نہیں ہے۔ اے حافظ تو خود ہی یعنی تیرا وجود ہی وجہ حجاب ہے۔ درمیان سے اپنے آپ کو اٹھا یا ہٹا کہ تیرا اپنا وجود ہی پردہ ہے۔ اس پردے کو اُٹھادے تو عرفان حقیقت ہو جائے گا۔

کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصفا مؤلفہ ملّا عبدالقادر فاروقی متخلّص قادری مؤرخ بدایونی عربی میں ہے۔ اس کتاب کو متاخرین یعنی بعد کے لوگوں نے تاریخ بدایوں سے تعبیر کیا ہے۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسی عمدہ اور پُر معنی کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ فارسی زبان میں مسٹر جان پلیٹس صاحب انسپکٹر مدارس ممالک متوسط نے ۱۸۷۱ء میں کیا اور بزبان انگلش مسٹر ایسٹوک صاحب نے ترجمہ ۱۸۵۱ء میں کیا تھا۔ اصل عربی کتاب مع ہر دو تراجم فارسی وانگریزی تین کالموں میں برٹ فورڈ کے مقام سے ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی جس کے

ملنے کا پتہ ٹائپ پریس لندن وگلاسکو درج تھا اور پانچ مجلّدات کی قیمت نقرئی سکّہ رائج الوقت پچیس روپئے تھی۔اس تفصیل کے ساتھ اخبار پانیر لکھنؤ میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو ایک غیر مطبوعہ تذکرے سے راقم کو دستیاب ہوا۔ کشف الغطاء کا قدیم نسخہ اور مذاق میاں کے دادا املاّ قطب الدین کی لکھی ہوئی شرح کشف الغطاء کا قلمی نسخہ حضرت جدّی و مرشدی مولانا محمد ایثار علی شاہ صاحب کے پاس تھا۔الغرض کشف الغطاء کی اصل عربی عبارت سے یہ اقتباس کہ جو حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے ذکرِ جمیل پر مبنی ہے پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ اقتباسِ ذیل اصل موضوع کے حسن تحریر کا باعث ہوگا۔

قال صاحب کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصَّفا:

اَنّهٗ سَمِعْتُ مِنْ اَکَابِرَ الدِّیَارِ اَنَّ فِیْ هٰذِهِ الْبُقْعَةِ الْمُبَارَکَةِ الْمَشْهُوْرَةِ بِقُبَّةِ الْاِسْلَامِ .اَلْمُسَمَّاهِ بِبَلْدَةِ بَدَاؤں قد اِسْتَرَاحَ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِرْفَانِ لَایُحْصٰی عَدَدُهُمْ فَمَنْ عَدَّ هُمْ فَعَلٰی مَبْلَغَ عِلْمِهٖ وَالْاَکْثَرُ مِنْهُمْ وَاحِدُ الْاِسْمِه وَاللَّقَبِ فَتَمَیَّزُوْا بَیْنَهُمْ بِالنِّسْبَةِ (فَالسُّلْطَانُ اِثْنَانِ) اَحَدُهُمْ وَاَعْظَمُهٗ دَرَجَةً وَمَنْصَبَةً مِنْ حَضْرَتِ التَّقْرِیْبِ سُلْطَانُ الْعَارِفِیْنِ وَیُقَالُ لَهٗ سُلْطَانْجِیْ فَهُوَ الشَّهِیْدُ الْفَخِیْم شَیْخ شَاهِی خواجه

اَلسَّیِّـد حسَـن بـن اَلسَّیِّـد اَعـزَالدِّیْنِ اَحمَداَلسُّهرُوَردِی موئے تاب شاہ روشن ضمیر قُدِّسَ اللّٰہ سِرُّہٗ مَرَاتِبَہٗ عَلِیَّۃٌ لاَ یَعْشِرُ عَلَیْهَا صَنَادِیْدُ الْعَارِفِیْنَ وَلاَ یُحِیْطُ بِهَااَسَالِیْبُ الْوَاصِفِیْنَ لَوْ زَبَرتَهَا السِّنَۃُ الْاَقْلاَمِ لَقَصرُتْ وَلَوْنَمقْتَهَا اَعِلَّۃُ الْاَنَامِ لاَغیَتْ مَرْقَدُہٗ مَشْهُوْرٌ فِیْ الْاٰفَاقِ وَرَاءِ نَهرِ سوت وَصَاحِبُ الْوِلاَیَۃِ ثَلثَۃٌ مَرَّۃً بَعْدَ اُخْریٰ فَالتَّصَرُّفُ الْاٰن بِیَدِ الْاَخِیـرَ فَهُـوَ یَتَصَــرَّفُ حَیْـثُ یَشَـآءِ اَحَدُهُمْ وَاَسْبَقُهُمْ مـولانَاالحَاج اَلشَّیْخ سراج الدین اَلتِّرمذی جَامِعُ الکَمالاتِ الصُّوْرِیَۃِ وَالْمَعْنَوِیَّۃِ قَدَّسَ اللّٰہ سِرَّہٗ فِیْ سِوَادِ بَدَاوَن جَانِبَ الْغَرْبِ دُوْنَ عیدگاہ شمسی فی حریم السُّهْرَوَرْدِ مَشهورٌ وَالثَّانِیْ اَلشَّیْخُ السُّلطان شیر چشتی وَقَد مَرَّذِکْرُہٗ

وَالثَّالِثُ اَلشَّیْخُ الْجَلِیْل خواجہ اَلسَّیِّد ابوبکر اَلْمُلَقَّب بہ بدر الدین بِنُ السَّیِّد اَعَزُّالدین احمد اَلسُّهروردی موئے تاب وَلِذَالِکَ یُقَالُ لَہٗ ثَالِثُ بِالْخَیرِوَهُوَجَامِعُ الْفَضَائِلُ اَلسُّهْـرَوَرْدِیَّـہ وَالْـچشتِیَّـہ وَمَنْبَعُ الْمَعَارِفِ وَالْحَقَائِقِ وَمَرْجِعُ الْخَلاَئِقِ فِی الْحِلِّ وَالْعَقْدِ یَصْدُرُ اَحْکَامُ الدِّیَارِ

مِنْ حَضْرَتِهِ الْاٰنَ كَمَا كَانَ لِاَنَّهٗ مِنْ مَّقْبُوْلِ الْغَوْثِ الْاَعْظَم اَلسَّيِّد مُحْيِ الدِّيْنِ اَبِیْ مُحَمَّد عَبْدُ الْقَادِرِ اَلْحَنْبَلِیْ اَلْجِيْلَانِی قَدَّسَ اللّٰهُ سِرَّهُمَا مَرْقَدُهٗ فِیْ حَرِيْمِ السُّهْرَوَرْدِيَّه مَشْهُوْرٌ عِنْدَ قَبْرِ صَاحِبِ الْوَلَايَةِ الْاَوَّلِ الشَّيْخ اَلْمَوْلَانَا سِرَاجِ الدِّيْن اَلتِّرْمِذِی جَانِبِ الشَّرْقِ مَائِلًا اِلَی الشِّمَالِ

ترجمہ: اقتباس کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصّفا:

مصنّف کتاب ہٰذا نے اکابر شہر سے سنا ہے کہ اس مقام مبارک میں کہ قُبّۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہے اور اسے شہر بداؤں کہتے ہیں بہت سے اہل عرفان آرام فرما ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا اور جس نے بھی ان کا شمار کیا ہے اپنے مبلغ علم کے مطابق کیا ہے۔ ان بزرگوں میں سے اکثر ایک ہی نام اور لقب کے ہیں۔ پس ان کے درمیان نسبت سے امتیاز کرو۔ پس سلطان دو ہیں۔ اُن میں سے ایک اور ان سب سے بڑے باعتبار قرب ذات درجے اور منصب میں سلطان العارفین ہیں اور ان کو سلطانجی کہا جاتا ہے اور وہ شہید بزرگ شیخ شاہی خواجہ سیّد حسن بن سیّد اعزّ الدین احمد سہروردی موئے تاب شاہِ روشن ضمیر قَدَّسَ اللّٰہ سِرَّہٗ ہیں اور آپ ایسے مراتب عالیہ والے ہیں کہ بڑے عارفین بھی ان پر مطلع نہیں ہیں اور واصلین کے اسلوب بیان بھی ان

کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ زبانیں اور قلم ان کے بیان سے عاجز رہ جائیں اور مخلوق کی انگلیاں ان کا شمار کرتے کرتے تھک جائیں۔ آپ کی مرقد مبارک آفاق میں مشہور ہے اور سوتہ ندی کے اُس پار ہے۔

اور صاحب الولایت تین ہیں یکے بعد دیگرے اور اس وقت تصرّف آخری صاحب ولایت کے ہاتھ میں ہے جس طرح وہ چاہیں۔ ان میں سے ایک اور سب سے پہلے مولانا الحاج شیخ سراج الدین ترمذی ہیں۔ آپ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں قدّس اللہ سرُّ ہٗ۔ آپ کی مرقد شہر بدایوں میں جانبِ غرب عیدگاہ شمسی کے پیچھے مشہور سہروردی احاطے میں ہے (املی کے پاس)۔ دوسرے شاہ ولایت سلطان شیر چشتی ہیں اور ان کا ذکر گزر چکا (ان کا مزار قلعۂ قدیم کے دمدمہ کی بلندی پر چاہ بھنڈار کے نزدیک چکر کی سڑک سے متّصل جانبِ غرب محلّہ سوتہ میں ہے۔ یہ جگہ میری نانی کی ملکیت تھی۔ غالباً ۶۔۷ رمضان عرس کی فاتحہ کی تاریخ ہے)۔ تیسرے شاہ ولایت شیخ الجلیل خواجہ سیّد ابوبکر ملقّب بدرالدین بن سیّد اعزالدین احمد سہروردی موئے تاب اور اسی لئے ان کو شاہ ولایت ثالث خیر و خوبی والے کہا جاتا ہے کہ وہ فضائل سہروردیہ اور چشتیہ کے جامع تھے۔ حقائق و معارف کا منبع تھے اور معاملات کے حلّ و عقد میں مرجعِ خلائق تھے۔ شہری احکام آپ کی بارگاہ سے صادر ہوتے تھے اور اب بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے پہلے ہوتے تھے اس لئے کہ وہ غوث اعظم سیّد محی الدین ابومحمد شیخ عبدالقادر حنبلی جیلانی قدّس اللہ سرُّ ہما کے

مقبول نظر ہیں۔ آپ کی مرقد مبارک سہرورد کی مشہور چار دیواری میں ہے۔ پہلے صاحب ولایت شیخ مولانا سراج الدین ترمذی قدس سرہ کی قبر شریف کے پاس جانب شرق مائل بشمال۔

حلیہ مبارک

حضرت خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت

بحوالہ تاریخ اولیائے بدایوں قلمی غیر مطبوعہ مؤلفہ مفتی شرف علی حمیدی بدایونی و "شاہ ولایت" مطبوعہ ہندوستانی پریس بدایوں مؤلفہ قاضی غلام سجاد بسمل بدایونی

مفتی شرف علی اپنی کتاب تاریخ اولیائے بدایوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حُلیہ بدرالدین شاہ ولایت صاحب بدایوں جس کو دختر شارح طبقات الاولیا و نیز مؤلف نفائس السِیَر فی احوال سیّد الجن والبشرؐ نے بعالم رؤیا مشاہدہ کیا ہے اس طور پر ہے: میانہ قد۔ پُر گوشت اعضاء۔ گندمی سانولا رنگ۔ بڑا چہرہ مائل بہ درازی یعنی کتابی چہرہ۔ وجیہہ صورت باجاہ وجلال۔ زلفیں خمدار گھنگھریالی دونوں شانوں پر ادھر ادھر پڑی ہوئی۔ داڑھی تِل چاولی یعنی کھچڑی داڑھی۔ مونچھیں بیچ میں سے ترشی ہوئی۔ کلام میں کسی قدر عجلت یعنی قدرے لکنت۔ آواز دلکش ملائمیت کے ساتھ۔ سبز عمامہ سر پر باندھے اور نیچی عبا سبز بدن میں پہنے بغدادیوں کی وضع قطع میں تھے۔ قاضی غلام سجّاد مؤلف "شاہ ولایت" لکھتے ہیں کہ اس حلیہ کی تصدیق مولانا سیّد برکت اللہ صاحب امروہوی مجدّدی نے بھی کی ہے جو نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ آنجناب کے آستانۂ مبارک کی حاضری دینے سے رؤیا میں حضرت کی رویت سے بہرہ مند ہوئے ہیں۔ مفتی شرف علی نے اپنی

کتاب تاریخ اولیائے بدایوں میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''مجھ راقم الحروف کے محزوں دل کو آنجناب ہی کی نسیم فیضان روحی نے شادوخرم کردیا ہے جب کہ میرے پہلے فرزند اشرف علی چہار سالہ مرحوم کے بارہ برس بعد حالت یاس میں خود بدولت نے میری زوجہ کو خواب میں نعم البدل اس کا دوسرے فرزند محمد یٰسین کے نام کے ساتھ تولّد ہونے کی بشارت دی اور وہ پیدا ہو کر سن بلوغ کو پہنچ کر ۱۳۰۹ھ میں مرید سلسلۂ قادریہ وچشتیہ میں حضرت مولانا سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدّس سرّہٗ کا ہوا۔ پھر اس کے پیرومرشد کے وصال کے دو برس بعد ۱۳۲۶ھ میں بحالت رؤیا شاہ ولایت صاحب ممدوح نے خود کرم فرما کر میرے گھر تشریف لاکر اس میرے فرزند کو بھی اپنے دیدار سے مشرّف کیا اور اسی جگہ وضو کر کے دالان میں آکر پلنگ پر بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بہ طریق بیعت پکڑ کر سلسلۂ سہروردیہ میں مرید کیا اور زبان مبارک سے کچھ آیات قرآنی چلاّ کر تلاوت فرمائیں جن کو سُن کر وہ بھی پڑھتا گیا اور فرمایا ان آیات کو روزانہ صبح کو سوتے سے اٹھتے ہی پڑھ لینا۔ ان آیات کے خیال میں نہ رہنے کے عذر پر مکرّر پھر ان آیات کو اسی طرح پڑھا۔ وہ آیات اس نے حفظ کر لی ہیں۔ روزانہ صبح کو اٹھ کر پڑھ لیتا ہے۔ مؤلف ''شاہ ولایت'' قاضی غلام سجاد بسمل نے مزید یہ لکھا ہے کہ مفتی محمد یٰسین اس بیعت منامیہ کے اعتبار سے شجرۂ سہروردیہ بھی تیمناً پڑھتے ہیں''۔

شجرۂ طریقت سہروردیہ وچشتیہ حضرت شیخ بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب

شجرۂ بیعت وخلافت سہروردیہ

۱۔ جنابِ سرورِ کائنات رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت خواجہ داؤد طائی رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت خواجہ سرّی سقطی رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت خواجہ شیخ ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت خواجہ ممشاد علُو دینوری رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت خواجہ ابی احمد اَسوَد دینوری رضی اللہ عنہ

۱۲۔ شیخ محمد بن عبداللہ المعروف عَمُّویہ رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حضرت شیخ وجیہ الدین ابوحفص عمر سہروردی رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رضی اللہ عنہ

۱۵۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ

۱۶۔ حضرت محمد بن عطا قاضی حمید الدین ناگوری رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی موئے تاب روشن ضمیر سلطان العارفین سلطانجی یمنی بدایونی رضی اللہ عنہ

۱۸۔ حضرت خواجہ سیّد بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب رضی اللہ عنہ

وفات ۲۱ رمضان ۶۶۷ھ المطابق ۲۴ مئی ۱۲۶۹ء بروز جمعہ

شجرۂ بیعت و خلافت چشتیہ

۱۔ جناب سرورِ کائنات رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت خواجہ ابونصر حسن بصری رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت خواجہ فُضَیل بن عَیاض رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن اَدہَم فاروقی رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت خواجہ سدید الدین حُذَیفہ مرعشی رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ہُبَیرہ بصری رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علُو دینوَری رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رضی اللہ عنہ

۱۲۔ حضرت خواجہ سیّد ناصر الدین ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حضرت خواجہ سیّد قطب الدین مودود یوسف چشتی رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت خواجہ منیر الدین حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ

۱۵۔ حضرت خواجہ ابی النوّر عثمان ہاروَنی رضی اللہ عنہ

۱۶۔ حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز سیّد معین الدین حسن حُسینی چشتی سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حضرت قطب الاقطاب شہید المحبّت خواجہ سیّد قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی رضی اللہ عنہ

۱۸۔ حضرت خواجہ سیّد بدر الدین شیخ ابوبکر موئے تاب صاحب ولایت بدایوں المعروف شاہ ولایت صاحب رضی اللہ عنہ

مراسم عرس

چھوٹے سرکار حضرت خواجہ سید بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب بدایونی

حضرت شاہ ولایت صاحب کے عرس مبارک کی تقریبات اسی طور پر ہوتی ہیں جس طرح سے حضرت سلطان العارفین صاحب کے عرس مبارک کی تقریبات ہوتی ہیں۔ آپ کے عرس کی خاص تاریخ ۲۱ رمضان المبارک ہے اور یہی آپ کی تاریخ وصال ہے۔ اس تاریخ کی شام کو خانقاہ شیخ شاہی واقع محلّہ سوتہ سے شیخ اعظم سہروردی کی اولاد کی طرف سے آپ کے مزار مبارک پر چادر جاتی ہے۔ اسی تاریخ کو حریم درگاہ میں حجرہ کے اندر پہلے قل کی فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اس وقت مٹّی کے نئے گیارہ گھڑے اور گیارہ لوٹے تازہ پانی سے بھر کر سامنے رکھے جاتے ہیں اور ایک گھڑی شکر پاروں کی ہوتی ہے۔ فاتحہ کے بعد حجرہ کے اندر موجود لوگوں میں تبرّک تقسیم کیا جاتا ہے۔ دوسرے روز ۲۲ رمضان المبارک کی صبح کو اشراق کی نماز کے بعد حجرہ کے سامنے مزار مبارک کے قریب الحاج مولانا خواجہ غلام نظام الدین قادری قاضی ضلع بدایوں تقریر کرتے تھے۔ معلوم نہیں خواجہ صاحب مرحوم کے بعد تقریر کا سلسلہ جاری ہے یا ختم ہوگیا۔ بہر حال تقریر کے بعد فاتحہ پڑھ کر قل کا ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔

حاضری کا خاص وقت

روزانہ نماز فجر کے بعد سے زوال تک حضرت شاہ ولایت صاحب کے مزار مبارک پر حاضری کا خاص وقت ہے۔

پسندیدہ نذر

۳۱۳ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر آپ کی خدمت میں ہدیۂ ثواب پیش کیا جائے۔ حضرت شاہ ولایت صاحب کے لئے آپ کی پسندیدہ نذر یہی ہے۔

بحوالۂ تاریخ شیخ شاہی وروضۂ صفا وغیرہ

کرامت وتصرف کا ایک خاص واقعہ

منشی محمود خاں پنشنر صدر قانونگوئی بدایوں ناقل ہیں کہ وہ ۱۸۷۰ء میں مسٹر فول درس صاحب بہادر قائم مقام کلکٹر بدایوں کے زمانے میں محکمۂ کلکٹری میں نقشہ نویس تھے اور کام پیشی کا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک قتل کے مقدمہ کی مثل کا اظہار ملزم کہیں مخلوط ہو گیا تھا۔ ہر چند تلاش کیا پتہ نہ چلا۔ اس وقت اہلمد فوجداری اس اجلاس میں میر کاظم علی اعظم گڑھی تھے اور وہ اپنے نزدیک پیشی کا حق مرجّح سمجھ کر ان سے دل ہی دل میں جلا کرتے تھے۔ ان کو یہ موقع خوب ہاتھ آیا اور فوراً ہی اس کی اطلاع میر کرامت علی ساکن اوجھیانی سپرنٹنڈنٹ مال سے کر دی۔ چونکہ سپرنٹنڈنٹ ان کے ہم خیال اور بہی خواہ تھے ان سے ظاہر کیا کہ محمود خاں پیش کار نے ڈھائی سو روپئے لے کر اظہار ملزم

مثل سے غائب کر دیا ہے۔اب ملزم اس بیان سے انکاری ہے۔میر صاحب نے فوراً اس کی خبر کلکٹر صاحب بہادر کو کر دی۔کلکٹر صاحب بہادر اٹھ کر اجلاس میں آئے اور اس مثل کو طلب کرا اور کہا کہ ہم کو ملزم کے اظہار کا ترجمہ کرا دو اور ملزم کا اظہار نکالو۔یہ سنتے ہی محمود خاں گھر آئے اور مثل کے ورق لوٹنے لگے۔ جب دیر ہو گئی تو کلکٹر صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ تم نے اظہار کو معلوم ہوا ہے ڈھائی سو روپئے لے کر نکال دیا ہے۔اب اسی میں خیر ہے کہ اظہار پیش کرو ورنہ قید میں بھیجے جاؤ گے۔آج کی مہلت دی جاتی ہے۔یہ کہہ کر اجلاس سے کلکٹر صاحب اٹھ گئے اور محمود خاں نہایت پریشان گھر آئے اور وہاں سے سیدھے حضرت سلطانجی صاحب میں گئے اور وہاں سے حضرت شاہ ولایت صاحب میں حاضر ہو کر رونے لگے اور قید ہونے کا خیال باندھ کر حسرت زدہ نگاہوں سے مزار کو دیکھتے کہ اب مجکو یہ مزار پرانوار دیکھنا نصیب ہو نہ ہو۔محمود خاں کہتے ہیں کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب یہیں رہوں گا۔صبح کو تو قید خانہ میں جانا ہے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔پریشان حال لوگ گوشوں میں ٹھہرے رہے اور سو رہے۔میں بھی ایک کونہ میں بحالت حُزن سر نیچا کئے بیٹھے ہوئے یادالٰہی کرنے لگا۔کچھ اونگھ سی آ گئی۔دیکھا کہ ایک بزرگ صورت ہو بہو منشی عظمت علی منصف (برادر چچازاد جدّ کاتب) سبز عمامہ باندھے تل چاولی داڑھی میں مرقد منوّر کی جگہ رونق افروز ہیں۔مجھے محزون دیکھ کر فرماتے ہیں‘

محمود خاں گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ مثل نمبر ۹۴ تھانہ ککرالہ میں وہ اظہار ملزم رکھ گیا ہے۔ تم کو یاد نہیں۔ وہ مثل بھی اس روز دفتر سے اسی مقدمہ میں منگوائی گئی تھی اس مثل کو منگوا کر دیکھو۔ معاً مجکو بھی یاد آ گیا کہ بے شک وہ مثل اس روز آئی تھی۔ اس خوشی میں میری آنکھ کھل گئی۔ کوئلہ لے کر پتہ مثل نمبر ۹۴ ککرالہ لکھ لیا۔ اسی وقت سے میرے دل کو ڈھارس بندھ گئی۔ بعد نماز فجر گھر آیا اور کچھ کھا کر سیدھا کلکٹر صاحب بہادر کے بنگلہ پر پہنچا۔ صاحب نے تقاضہ اظہار کا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجکو یاد ہوتا ہے وہ اظہار مثل نمبر ۹۴ تھانہ ککرالہ میں رکھ گیا ہے۔ وہ مثل بھی محافظ خانہ سے منگوائی گئی تھی اور اس کو دیکھا گیا تھا۔ پھر واپس کر دی گئی ہے وہ اظہار اس مثل میں ملے گا۔ کلکٹر صاحب لفظ گمان غالب کو دانت رکر کرا کر دُہرا کر بولے 'اچھا ہم ابھی کچہری چلتے ہیں اگر اس مثل میں یہ اظہار نہ نکلا تو تم حراست میں لے لئے جاؤ گے۔ چونکہ مجکو اپنے خواب پر پورا یقین تھا میں نے اصرار کیا اور صاحب کلکٹر مجکو اپنے ہمراہ کچہری لایا اور منشی مُراری لال محافظ دفتر فوجداری مکان سے بلوائے گئے۔ صاحب کلکٹر' میں (محمود خاں) اور محافظ دفتر فوجداری تینوں محافظ خانہ کے اندر گئے اور وہ مثل نکلوائی گئی۔ محافظ دفتر نے جلدی سے بستہ کھول کر میرے ہاتھ میں دے دی اور میں نے خود اس کو کھولا تو اسی تہ میں وہ اظہار ملزم گمشدہ برآمد ہوا۔ تازہ تحریر ہونے کی وجہ سے کاغذ میں چپٹ گیا تھا۔ دیکھتے ہی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے

اور مجھ سے اظہار مسرت فرمانے لگے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے' محمود خاں تم کو بڑا صدمہ روحانی پہنچا ہم معافی مانگتا ہے۔ واقعی تم بے قصور تھا۔ یہ محض سر رشتہ دار کی شرارت نے تم کو مجھ سے ایذا پہنچوائی۔ اس نے کہا تھا کہ محمود خاں نے ڈھائی سو روپے لے کر اظہار پھاڑ ڈالا ہے اور میں اس کے ٹکڑے پیش کروں گا اور اردلی چپراسی سے کہا کہ سر رشتہ دار کو ابھی بلاؤ اور مجھ سے کہا تم ایک کونے میں چھپ جاؤ۔ جب سر رشتہ دار آیا تو اس سے کلکٹر نے کہا' تم نے کوئی پتہ اظہار کا لگایا ہے۔ اس نے عرض کیا حضور اطمینان رکھیں میں عنقریب اس کے ٹکڑے حضور میں پیش کروں گا۔ یہ محمود خاں بہت چالاک ہے۔ نہ معلوم اس نے کہاں پھاڑ کر ڈالا ہے۔ سراغ رسانی برابر جاری ہے۔ اس بات پر صاحب بہادر کو غصہ آیا اور بہت کچھ ناگفتنی کہنے کے بعد بولے' معلوم تم محمود خاں سے عداوت رکھتا ہے۔ یہ اظہار اگر اس نے پھاڑ ڈالا تھا تو محافظ خانہ کے اندر دوسری مثل ۹۴ تھانہ ککرالہ میں کیسے برآمد ہوئی جو خود ہم نے اپنے ہاتھ سے برآمد کی ہے۔ پھر اور برا بھلا کہنے لگا۔ اسی دوران میں گوشہ سے نکل آیا اور میں نے سر رشتہ دار صاحب کی سفارش کی۔ صاحب نے مجھ سے کہا تم سر رشتہ دار پر استغاثہ دائر کرو۔ اس نے تمہارے ساتھ مخاصمانہ برتاؤ کیا ہے جو اس کو ہرگز شایان نہیں تھا مگر سر رشتہ دار نے میرے والد کی منّت خوشامد کی اور انہوں نے مجکو باز رکھا اور آپس میں مصالحت کرادی۔

کاظم حسین اہلمد تھوڑے عرصہ بعد برخاست ہو گیا اور کرامت علی کا تبادلہ

شاہجہان پور ہوا۔ کرامت علی کے شاہجہاں پور تبادلہ کے وقت محمود خاں حضرت کی دیگر اس کرامت کے ناقل ہیں کہ باوجود میر کرامت علی کی مخالفت کے حضور شاہ ولایت صاحب کے حکم کے مطابق کرامت علی کی جگہ محمد علی صدر قانونگو ہوئے اور محمد علی کی جگہ محمود خاں کی صدر قانونگوئی پر ترقی ہوئی۔

ماخوذ از تذکرۃ العارفین مؤلّفہ ضیاء علی خاں اشرفی

لالہ ماتا دین لال سابق آنزیری مجسٹریٹ بدایوں کا واقعہ

لالہ ماتا دین لال کے خلاف کچھ لوگوں نے عدالت دیوانی میں جھوٹا دعویٰ دائر کر دیا تھا۔ انہیں بڑی ندامت تھی۔ بعض احباب نے مشورہ دیا آپ سرکاروں میں حاضری دیجئے۔ چنانچہ لالہ صاحب صبح و شام دونوں سرکاروں میں پابندیٔ اوقات سے جانے لگے۔ مقدمہ کی تاریخ والے دن وہ خاص طور سے چھوٹی سرکار میں حاضر رہتے۔ ان کے وکیل اور ملازم مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ حکم والے دن بھی وہ حضرت شاہ ولایت صاحب پر حاضر رہے اور مزار شریف کے پائین سر جھکائے اپنی کامیابی کے لئے التجا کرتے رہے۔ ناگاہ ایک آواز ان کے کان میں آئی ''لالہ بھاگ جاؤ' مقدمہ خارج کیا گیا''۔ یہ سنتے ہی لالہ صاحب چونک پڑے۔ سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا مگر کسی کو موجود نہ پایا۔ باہر آ کر پیرزادوں سے سے واقعہ بیان کیا۔ وہ بولے ''لالہ صاحب سرکار کے

فیضان تصرف سے مقدمہ خارج کیا گیا' آپ گھر جایئے۔'' ہنوز یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ لالہ صاحب کا ملازم آیا اور مقدمہ خارج کیے جانے کی خوش خبری سنائی۔ اسی وقت انہوں نے مٹھائی منگوا کر نیاز دلائی اور ہنسی خوشی اپنے گھر گئے۔ راقم کا یہ چشم دید ہے کہ لالہ ماتا دین ہمیشہ عرس کے روز خصوصیت کے ساتھ چادر چڑھاتے تھے اور کافی دیر تک اپنے سر پر رکھے کھڑے رہتے تھے۔ عید گاہ سے دوسرے لوگ چادر مزار تک لے جاتے تھے۔

جناب بھگوان سہائے سکسینہ
ڈپٹی مارکیٹنگ افسر ضلع ایٹہ کا واقعہ

سات آٹھ سال ہوئے (اب سے کم وبیش ۲۵ سال قبل) کہ ضلع ایٹہ کے ایک سینئر افسر حضرت شاہ ولایت صاحب کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ جناب بھگوان سہائے سکسینہ ڈپٹی مارکیٹنگ افسر ضلع ایٹہ بھی آئے مگر کسی وجہ سے وہ درگاہ کے اندر نہیں گئے موٹر کار ہی میں بیٹھے رہے۔ سینئر افسر صاحب مزار پر حاضری دے کر واپس آئے اور گاڑی اسٹارٹ کی تو گاڑی نے حرکت نہ کی۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ سکسینہ صاحب کی گستاخی کا نتیجہ ہے چنانچہ انہوں نے سکسینہ صاحب سے کہا کہ جب تک آپ درگاہ کے اندر جا کر گستاخی کی معافی نہ چاہیں گے آپ کا قصور معاف نہ ہوگا اور جب آپ کا قصور

معاف نہ کیا جائے گا گاڑی اسٹارٹ نہ ہوگی۔ ان کے کہنے پر مجبور ہوکر سکینہ صاحب درگاہ کے اندر گئے اور مزار اقدس پر حاضر ہوکر گستاخی کی معافی چاہی اور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ واپس آکر جیسے ہی انہوں نے کار کے اندر قدم رکھا گاڑی ایک دم اسٹارٹ ہوگئی۔ اس واقعہ کا سکینہ صاحب کے دل پر گہرا اثر پڑا اور ان کا اعتقاد اس درجہ بڑھ گیا کہ چند یوم بعد وہ پھر مع اہل وعیال آئے اور نذر و نیاز کے بعد پیرزادوں کے مشورے سے مزار اقدس کی گیلری کے دروازوں میں آ ہنی جالیاں لگوا گئے۔ خدا کے فضل سے آج وہ اسسٹنٹ ریجنل فوڈ کنٹرولر ہیں۔ جب موقع ملتا ہے انتہائی عقیدت سے حاضر ہوکر آستاں بوس ہوتے ہیں۔

لالہ مکّو لال صاحب فرّخ آبادی کا واقعہ

لالہ مکّو لال صاحب فرّخ آبادی جنہوں نے ریلوے اسٹیشن بدایوں پر دھرم شالہ تعمیر کرائی ہے کثیر جائداد کے مالک تھے مگر کوئی اولاد نہ تھی۔ چھوٹی بڑی سرکاروں کے فیضان تصرّف سے خداوند کریم نے انہیں بیٹا دیا۔ جب وہ بڑا ہوا تو لالہ صاحب کی ایک قریبی رشتہ دار اس سے حسد کرنے لگی۔ کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ لالہ صاحب کے بعد ان کی تمام املاک کی وہی وارث ہوگی مگر لڑکے کی ولادت نے اس کی تمام آرزوؤں پر پانی پھیر دیا۔ حسد کی آگ یہاں تک بھڑکی کہ اس کی جان کی دشمن ہوگئی۔ ایک جادوگر بلوا کر اس کو ختم

کرانا چاہا۔ جادوگر نے آتے ہی حکم لگا دیا کہ گیارہ دن کے اندر لڑکا مر جائے گا۔ یہ سنتے ہی لالہ صاحب گھبرا گئے۔ لڑکے کو لے کر بدایوں آئے اور سرکاروں میں حاضری دی۔ پیرزادوں سے تمام قصہ بیان کیا۔ وہ بولے لالہ صاحب گھبرایئے نہیں سرکاروں میں حاضری دیتے رہیے اور خدا پر بھروسہ رکھیے لڑکے کا بال بیکا نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ لالہ صاحب صبح و شام دونوں سرکاروں میں حاضری دینے لگے۔ اسی طرح گیارہ دن گزر گئے اور سرکاروں کے فیضان تصرّف سے لڑکا صحیح سلامت رہا۔ فرخ آباد سے خط آیا جس میں لکھا تھا گیارہ دن پورے نہ ہونے پائے تھے کہ جادوگر بھاگ گیا۔ جب اس سے پوچھا گیا تم کیوں جارہے ہو تو اس نے کہا میرے بس کی بات نہیں جو اس لڑکے کو نقصان پہنچا سکوں۔ کوئی شخص آ کر کہتا ہے اگر اس لڑکے کا بال بیکا ہو گیا تو تیری خیر نہیں۔ وہ خط لالہ صاحب نے پیرزادوں کو دکھایا تھا۔

تعمیر زیارت

حضرت شاہ ولایت صاحب
زیارت سے متعلق اور دوسری تعمیرات وغیرہ

مؤلف آثار بدایوں نے درگاہ بدرالدین شاہ ولایت کے باب میں لکھا ہے: اس درگاہ کی موجودہ حریم جدید کہی جاتی ہے لیکن اس کا جو دروازہ ہے وہ ۷۹۲ھ میں بنایا گیا۔ اس کی ساخت اور سنگین کتبہ کی تحریر جو کہ دروازہ میں نصب ہے اس کی قدامت کی شہادت ہے۔ حضرت کا مزار زیرِ آسمان ہے لیکن دروازہ گنبد نما ہے۔ حریم کے اندر ایک مسجد ہے جو تغلقی زمانے کی معلوم ہوتی ہے اور جنوب کو مسجد کی بغل میں ایک اور گنبد ہے جو حجرہ کے نام سے موسوم ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر کوئی بادشاہی باغ تھا جہاں ان حضرت کا مدفن ہوا ہے اور اس کو حدیقۂ شمسی کہتے تھے چنانچہ اس کا ایک سنگین کتبہ درگاہ میں نصب کر دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اکبری تک حدیقۂ شمسی قائم تھا۔ اور اس کی تعمیر و مرمّت ہوتی رہتی تھی۔ نہ معلوم پھر وہ کب برباد ہوا اور ایسا ہو گیا کہ بجائے عمارت و باغ کے ایک بن ہے اور قبور ہیں۔

کیا عجب کہ عید گاہ اور حوض شمسی کے قریب کوئی باغ ہوا ور اس پر عہد اکبری ۹۸۱ھ میں یہ کتبہ لگایا گیا اور بعد منہدم ہونے کے درگاہ شاہ ولایت میں لگا دیا گیا۔

کنز التاریخ میں مرقوم ہے: ''زیارت خواجہ بدرالدین شاہ ولایت رحمتہ اللہ علیہ: عقب عیدگاہ شمسی یہ زیارت مع مسجد وحریم پختہ نہایت عمدہ بنی ہوئی ہے۔اس کی عمارت سابقہ نہیں معلوم کس وضع کی تھی۔ کتبے جو اس زیارت میں منقوش ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ چند مرتبہ اس میں کچھ تعمیر ہوتی رہی۔ حریم جواب بنی ہوئی ہے یہ مشہور ہے کسی طوائف نے مَنّت پوری ہونے کے وقت بنوائی ہے لیکن ہم کو اس کی تعمیر کا زمانہ معلوم نہیں نہ کوئی کتبہ اس تعمیر کے متعلق ہے''۔طبقات الاولیا اور دوسرے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۳۰ھ میں دھولپور کی رہنے والی بینظیر نامی طوائف نے یہ حریم بنوائی تھی۔کتبہ جات جو بالفعل موجود ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) کتبہ اندرون گنبد دروازہ شاہ ولایت رحمتہ اللہ علیہ: عمارت کنندہ عہد السلطان الزّمان ناصرالدّنیا والدین محمد شاہ فیروز شاہ السلطان خلد اللہ ملکہٗ بانی بنائے روضۂ مشائخ البلد بدرالملۃ والدین طاب ثراہ راجی الحضرت لہٗ حضرت نصر اللہ کوتوال خطہ بدایوں جازاہ اللہ المبانی فی ذی الحجہ سنہ اثنی وتسعین وسبع ماتہ (۷۹۲ھ)۔حاشیہ میں یہ دیا ہوا ہے کہ سلطان ناصرالدین محمد شاہ پسرخورد سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۹۱ھ میں تخت نشین ہوا۔اس کے عہد میں یہ تعمیر ہوئی۔

(۲) کتبہ پاکھ حریم جنوبی۔: فی زمان السلطان العادل جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی عمارۃ الشمسی والحدیقہ مرزا محمد ابن شاہ ولی حسین خان۔

حرّرہ ۱۸۹ھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اکبر بادشاہ تک حدیقۂ شمسی قائم تھا اور اس کی تعمیر و مرمّت وغیرہ ہوتی رہتی تھی۔ اس کے بعد کسی زمانے میں یہ کتبہ حریم شاہ ولایت صاحب میں لگا دیا ہوگا۔ نہ معلوم وہ عمارت اور باغ کب برباد ہوا۔ اب اس جگہ پر ایک بن اور قبور کے سوا باغ کا کوئی نشان نہیں۔

(۳) کتبہ اندرون حریم شاہ ولایت صاحب رحمتہ اللہ علیہ جانب مشرق: بوجہ مٹ جانے کے یہ کتبہ پڑھنے میں نہیں آتا ہے۔ تاریخ بھی اس میں نہیں ہے۔ جو حرف پڑھے گئے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ''بنام خدا کوست قائم بالذّ ات ابد دارندہ بندہ و مور و مار۔ ہر کس نماند بدیں جہاں۔ ایں لحاد۔ آستان شیخ حنّان بدرالدین کہ صاحب ولایت اکبر۔ ابادر۔ سہ ماہی قیام نکرد گردانیدہ باز برد''۔ حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اکبر آباد کا رہنے والا آستان شاہ ولایت رحمتہ اللہ علیہ پر آ کر تین ماہ چلّہ کش رہا ہے اور اپنی روانگی کے وقت اس کو بڑی خشت پر کندہ کر گیا ہے۔ حریم درگاہ شاہ ولایت صاحب کی مشرقی دیوار میں حاطۂ سرخیلان حریم جلال کاشی کے مغربی دروازہ کے قریب یہ کتبہ لگا ہے۔

(۴) درگاہ حضرت شاہ ولایت صاحب کی تعمیر وغیرہ کے بارے میں شیخ سعد بصیر ملتانی مصنّف طبقات الاولیا غیر مطبوعہ تصنیف ۱۱۶۰ھ نے یہ لکھا ہے کہ درگاہ حضرت شاہ ولایت صاحب ۶۹۲ھ میں بحکم سلطان جلال الدین

خلجی تعمیر کی گئی جس میں حریم' احاطۂ درگاہ، اندرون حریم مزار سے متصل مغرب کی طرف حجرہ اور ایک قناتی مسجد شامل تھی۔ اس کے بعد ۷۹۲ھ میں سلطان ناصر الدین محمد تغلق باہتمام ملک قبول خاں شیروانی اندرون حریم درگاہ حجرہ کا گنبد اور قناتی مسجد کی جگہ باقاعدہ پختہ مسجد اور حریم کی جنوبی دیوار کے قریب دروازہ کے سامنے ایک پختہ کنواں بنائے گئے۔ اسی دوران درگاہ کے مشرق کی طرف عید گاہ شمسی کی مغربی دیوار میں منبر کے قریب کے حصے میں ایک نیا دروازہ نکالا گیا تاکہ بآسانی سیدھے مزار تک جاسکیں۔ چنانچہ فرش صحن عید گاہ دو حصوں میں بٹ گیا کیونکہ عید گاہ کی دیوار میں سے راستہ والا حصہ اندرونی فرش کی سطح کے موافق نشیب میں ہو گیا۔ اس کے بعد جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ایک رقاصہ بینظیر نامی سکنۂ دھولپور نے مرض برص سے شفایاب ہونے پر حسب منّت حریم درگاہ کو از سر نو بنوایا۔ موجودہ حریم اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔

(۵) غالباً ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں ڈاکٹر شیخ عطا علی نے اندرون حریم شمالی و مغربی حصے میں زنانہ حریم بنوائی جس کے کچھ حصہ پر جست کی چادر کی چھت ڈلوائی جس کا دروازہ مغرب میں بن کی طرف رکھا اور بن کو صاف کر کے گاڑیوں وغیرہ کی آمد و رفت کے لئے ایک خام راستہ نکلوایا۔

(۶) ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں مولوی احمد حسین تحصیل دار ساکن الہ آباد نے مزار کے شمال و مغرب میں پردہ نشین خواتین کے لئے ایک خشتی جالی

دار دیوار فرش درگاہ پر تعمیر کرائی جس میں آمدورفت کے لئے دو دروازے رکھے۔ ایک دروازہ غربی دیوار میں اور ایک مشرق میں صحن کی طرف قائم کیا اور ایک غسلخانہ پریوں والے کنوئیں کے پاس بنوایا اور سڑک کا وہ حصہ پختہ کرایا جو سرکاری سڑک سے کٹ کر مغرب کی طرف زیارت کو جاتا ہے۔

(۷) ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں شیخ کلّن ٹھیکیدار ساکن محلّہ چاہ میر بدایوں نے حضرت شاہ مدار صاحب کے چلّہ کی جگہ پر ایک خوشنما رنگ برنگ کی اینٹوں کے ٹائلز کا فرش بنوایا اور مشرقی دروازۂ درگاہ عقب عیدگاہ سے گنبد والے صدر دروازۂ قدیم تک خوبصورت ٹائلز کا فرش لگوایا اور صحن عیدگاہ کے اختتام پر مشرق کی جانب ایک کنواں تعمیر کرایا۔

(۸) غالباً اسی زمانے کے لگ بھگ عیدگاہ کے مشرق میں شمال رویہ ایک دالان زبیر خاں صاحب ساکن موئی ضلع بارہ بنکی نے تعمیر کرایا جس پر کوئی کتبہ نہیں لگا ہے۔

(۹) ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں حاجی امانت رسول ساکن و رئیس رائے پور ضلع پیلی بھیت نے اندرون حریم پیش مسجد قدیم ایک خوبصورت ڈاٹ دار دالان تعمیر کرایا اور گنبد والے صدر دروازہ سے پریوں والے کنوئیں تک کھرنجہ بنوایا اور درگاہ کے اندر کا برساتی پانی نکالنے والی نالی کو از سر نو درست اور پختہ کرایا۔

(۱۰) ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں مولوی حاجی علاء الدین صاحب میرٹھی برادر خورد ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے اندرون درگاہ گنبد والے حجرہ کے جنوبی پہلو میں متصل غرب مزار حضرت مولانا سیّد سراج الدین ترمذی شمالاً جنوباً سہ دری دالان اپنی والدہ مرحومہ کی یادگار میں تعمیر کرایا۔ اور اس کا فرش نہایت خوبصورت ٹائلز کا لگوایا اور اس سہ دری کی جنوبی دیوار میں عہد اکبری کا حدیقۂ شمسی والا کتبہ نصب کرایا۔ اس تعمیر کا یہ قطعہ تاریخ علاّمہ یعقوب بخش راغبؔ کا نتیجہ فکر ہے ؎

پسند عام یہ تعمیر کیوں نہ ہو راغبؔ
ضیاء سے جس کی مہ و مہر روشنی پائیں
نہ کیوں ہو مصرعۂ سال اس کا دل پسند خواص
''جب اس کو شاہ ولایت پسند فرمائیں''
۱۳ ھ ۵۲

نوٹ:۔ تاریخ میں ہمزہ کے دس عدد شمار ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں حاجی ڈپٹی علاؤالدین صاحب نے حضرت شاہ ولایت صاحب کی درگاہ سے متعلق مختلف خدمات وقتاً فوقتاً انجام دیں۔ (۱) ۱۳۵۲ھ میں بیرون حریم درگاہ جانب شمال و مشرق مقبرۂ سرخیلاں کے شمال میں حضرت شاہ ولایت صاحب کے بہنوئی خواجہ سیّد عبداللہ ملتانی کا مزار از سر نو درست کرایا۔ اس مزار کے نزدیک مشرق میں پندرہ بیس فٹ کے فصل پر ڈپٹی صاحب کی

والدہ کی قبر ہے جن کا انتقال ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں ہوا۔ مرحومہ کی قبر پر جست کی چادر کا سائبان ڈلوایا اور ایک کتبۂ تاریخ بھی نصب ہے جو قریب قریب ٹوٹ پھوٹ چکا ہے اور قبر بھی شکستہ حالت میں ہے۔ (۲) ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں میونسپلٹی کی حدود سے درگاہ تک اور اندرون درگاہ بجلی کی روشنی کا سلسلہ قائم کیا جس پر دو ہزار دو سو روپے صرف کئے اپنے پاس سے اور کچھ چندہ کی رقم سے۔ اور اس کام میں سیّد نصیر الحسن زیدی ساکن نہٹور ضلع بجنور نائب تحصیلدار بدایوں کا تعاون بھی شامل رہا۔ اس سے پہلے دو گیس کی لالٹینیں درگاہ کے اندر اور مٹّی کے تیل کی لالٹینیں جا بجا راستے میں لگوائیں جس کا خرچہ ڈپٹی صاحب خود اٹھاتے رہے۔ (۳) ۱۳۵۶ھ میں اندرونِ درگاہ احاطۂ مستورات پر جست کا سائبان ڈلوایا۔ اور درگاہ کے اندر گنبد والے صدر دروازے سے مزار تک خوشنما فرش بنوایا۔ (۴) ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں اندرونِ حریم حاجی امانت رسول کے تعمیر کردہ دالان کے سامنے مزار شریف تک سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر کا فرش بنوایا اور گنبد والے صدر دروازہ کا مشرقی پھاٹک اور لوہے کے کواڑ بھی بنوائے۔

(۱۱) ۱۳۵۴-۵۵ھ مطابق ۳۷-۱۹۳۶ء کے لگ بھگ عقب عید گاہ بالمقابل چلّہ گاہ شاہ مدار صاحب دیوار عید گاہ کو پشتہ بنا کر کلّو ساقی ساکن مولوی ٹولہ بدایوں نے ایک دالان تعمیر کیا۔ یہ دالان بلندی پر واقع ہونے کی بناء پر

چڑھنے کے لئے سیڑھیاں اس کے کچھ عرصہ بعد حاجی منصور عالم ساکن بدایوں نے بنوائیں۔ اسی زمانہ کے قریب کلّو ساقی ساکن مولوی ٹولہ بدایوں نے جو سقّہ تھے بعد میں حقّہ پلاتے تھے سرکاری سڑک کے قریب زیارت کو جانے والی سڑک کے شمال کی طرف اور بن کے شروع میں ایک کنواں اور اس سڑک کے مشرق میں ایک بلند و کشادہ دروازہ تعمیر کرایا جس کی پیشانی پر یہ ایک شعر لکھا تھا ؎

چلو اے تشنگان معرفت سیراب ہو چل کر
کُھلا ہے سہروردی میکدہ شاہ ولایت کا

یہ دروازہ سیلاب کی وجہ سے شکستہ ہو گیا تھا جسے اب سے کم و بیش چالیس سال قبل محمد شفیق خاں ابن رحمت اللہ پردھان موضع جمولی ضلع بارہ بنکی نے از سرنو تعمیر کرایا۔

(۱۲) ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں ندّو خاں بریلوی نے مزار کی قدیمی ساخت کو برقرار رکھ کر ایک خوشنما بارہ دری چار ستونوں پر قائم کر کے لنٹر کی چھت ڈلوا کر تعمیر کرائی۔ اس کے چاروں طرف بیس ۲۰ در ہیں۔ ان دروں میں لوہے کی جالیاں لگی ہیں۔ مزار' چھت' ستونوں اور فرش پر موزائک کا کام کیا گیا ہے۔ شمالی ستون کے مشرق کی جانب ایک کتبہ تاریخ تعمیر لکھا ہوا ہے۔ مادّہ تاریخ تعمیر یہ ہے۔ ''بن گئی بے مثال عمارت''۔
۱۳ ھ ۷۶

(۱۳) ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں بھگوان سہائے سکسینہ باشندۂ

ضلع متھرا، ڈپٹی ریجنل مارکیٹنگ آفیسر نے اپنی اہلیہ کی شفایابی پر جدید تعمیر شدہ مزار کے چاروں طرف خوبصورت لوہے کا جنگلہ لگوایا اور گیلری میں آہنی جالیاں لگوائیں اور درگاہ کے اندر بجلی کے پنکھے اور پانی نکالنے کے نل بھی لگوائے۔

(۱۴) ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں امیر بیگ ساکن آگرہ نے مزار کے سرہانے گیلری کی شمالی سمت میں سنگ مرمر پر کندہ کتبۂ تاریخ سے موسوم ایک کتبہ نصب کرایا جس میں حضرت شاہ ولایت صاحب کے اسم گرامی کے ساتھ سہروردی چشتی کے علاوہ قادری نقشبندی بھی تحریر ہے کہ جو سراسر تاریخی حقائق اور اصلیّت کے خلاف بدنما جدّت اور نامناسب حرکت ہے۔ تعجب ہے کہ پیرزادوں نے ایسا کیوں کرنے دیا۔ معتبر و مستند اور صحیح معلومات سے بے خبری اس کی ایک خاص وجہ ہو سکتی ہے۔

جائداد موقوفہ

بنام حضرت شاہ ولایت صاحب

تفصیل حضرت سلطان العارفین صاحب کے حالات میں شامل ہے۔ یہاں صرف ان دیہات وغیرہ کا مکرّر تذکرہ ہے جن میں حضرت شاہ ولایت صاحب کا نام شامل ہے۔

۱۔ گنگچورہ	پرگنہ اجھیانی	نصف دس بسوہ	اس گانوں میں دو پٹیاں تھیں۔ ایک حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے اور ایک حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے۔ یہ موضع بڑی زیارت سے ندی کی سمت کو ملا ہوا ہے۔ اس سے ملا ہوا پُل پار کر کے مغرب کی جانب کونڈا ابہیڑی بریلی والے بنئے کا تھا۔
۲۔ بنگواں	پرگنہ اجھیانی	نصف دس بسوہ	دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔ اوّل مُسلّم ہوگا لیکن بعد کو وہ حصہ بُرد برار ہونے کی وجہ سے نکل گیا۔ ندی کاٹ کر ایک موضع کی زمین دوسرے موضع میں پھینک دے اس کو بُرد برار

کہا جاتا ہے۔ دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔

۳۔ گورَوَ پرگنہ اجھیانی ۳۰۰ بیگھ آراضی پختہ دونوں زیارتوں کے نام سے نصف نصف تھا۔

۴۔ شکراپور پرگنہ بدایوں مُسلَّم بست بسوہ دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔

۵۔ حضرت پور لہرا پرگنہ بدایوں مُسلَّم بست بسوہ حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے تھا۔

۶۔ بہٹہ ایمن پرگنہ بدایوں مُسلَّم بست بسوہ دونوں زیارتوں کے نام سے تھا۔ اس موضع میں کچھ حصہ اوروں کا تھا مگر وہ لوگ پیرزادوں میں ہی تھے۔ ان کی کچھ پٹّی خالص الگ تھی۔ جلال الدین کے لڑکوں انتظار حسین وغیرہ کے نام سے۔

۷۔ آراضی متفرق قصبہ بدایوں محال معافی دوام متصل کربلا قصبہ بدایوں دو پٹیاں تھیں۔ ایک حضرت سلطان العارفین صاحب کے نام سے اور ایک حضرت شاہ ولایت صاحب کے نام سے جن کا مجموعی رقبہ قریب چار سو بیگھ پختہ تھا۔

منقبت

عارف ہو یا ولی ہو شاہ وگدا کہیں کا
سائل ہے شاہ ولایت سلطان عارفیں کا

اک شاہ بدردیں ہے اک ماہ کا ملیں ہے
دنیا ودیں میں جلوہ ہے دونوں مہ جبیں کا

شکل نبی علی ہیں اک جان دونوں بھائی
ہیں دونوں شاہ وسلطان ہو رہ دلا کہیں کا

قائم ہے تا قیامت ازماہ تابہ ماہی
دائم قیام ان سے ہے آسماں زمیں کا

درگاہ شاہ سلطاں ہے شاہراہ ایقاں
رستہ ہے بادشاہی یہ منزل یقیں کا

دونوں جگہ کا صاحب ہے آسرا بھروسہ
بندہ کو ہے سہارا دنیا کا اور دیں کا

کامل صلہ ملے گا دوہرا مذاقِ اک جا
ہے وصف اس غزل میں ان دونوں کا ملیں کا

منقبت

غلام حاضر دربار ہوں شاہ ولایت کا
میں صاحب بندۂ سرکار ہوں شاہ ولایت کا
دل وجاں سے ہوں اُس مخدوم کا میں خادم درگاہ
میں جان ودل سے خدمتگار ہوں شاہ ولایت کا
براہوں یا بھلا کچھ ہوں ولے ہوں شاہ والا کا
میں بد کردار و نیکو کار ہوں شاہ ولایت کا
جو بحر معرفت کے پار سلطان عارفیں کا ہوں
تو دریائے وِلا کے وارہوں شاہ ولایت کا
خدا کے فضل سے ہو جاؤں گا میں بے دوا اچھا
بھلا چنگا ہوں گر بیمارہوں شاہ ولایت کا
مِرا اس نام کی برکت سے ہوگا کام اک باری
میں لیتا نام اب کی بارہوں شاہ ولایت کا
یہ جانا میں نے دل سے جب علیؓ شاہ ولایت ہے
میں دلدارِ علی دلدار ہوں شاہ ولایت کا
وہ ساقی ہے وہ مولا ہے اسی کا دور دورہ ہے
مذاق اس دور میں سرشارہوں شاہ ولایت کا

منقبت

اے نور نبیؐ کے شمس ضحیٰ یا شاہ ولایت بدرالدین
انوارِ علیؓ کے بدر دُجیٰ یا شاہ ولایت بدرالدین
اے مہر سپہر حسن بصری وے ماہ چرخ حبیب عجمی
شیخ داوٗد کے نجم سما یاشاہ ولایت بدرالدین
خواجہ معروف کے ماہ مبیں سرّی سقطی کے نور یقیں
خورشید جنید کے تم ہو ضیا یاشاہ ولایت بدرالدین
خواجہ مُمشاو کے دل کا سُرور اور خواجہ ابی احمد کا نور
تم خواجہ محمد کے ہو صفا یا شاہ ولایت بدرالدین
ہیں آپ ہی نور وجیہ الدین اور ابونجیب ضیاء الدین
تم شیخ شہاب الدیں ہو شہا یا شاہ ولایت بدرالدین
اے اختر برُج حمید الدین اے خواجہ حسن کے ماہ مبیں
شیخ شاہی کے ماہ لقا یا شاہ ولایت بدرالدین
جس طرح نبیؐ کے علیؓ ہیں اخی سلطانجی کے تم ہو بھائی
سلطان ہیں وہ تم شاہ شہا یا شاہ ولایت بدرالدین
ہو نخل خشک اُمید ہرا حاصل ہو تری سے ہر اک ثمرہ
پڑھتا ہے مذاقؔ ترا شجرہ یا شاہ ولایت بدرالدین

ہو دم میں بحکمت ربّانی صحّت جسمانی روحانی
دلدارؔ علی کے تمہیں ہو دوا یا شاہ ولایت بدرالدین

رباعی
ماخذ تاریخ بنی حمید مؤلفہ مفتی شرف علی سبزواری بدایونی

خورشید کی اس سے رونق و تزئیں ہے
خرمن سے اسی کے خوشہ چیں پرویں ہے
ہے روشنی اس کی ماہ سے ماہی تک
بدرالدین بدر آسمانِ دیں ہے

منقبت از مؤلف

گُل باغ علیؓ مرتضےٰ شاہ ولایت ہیں
بہار گلشن آل عبا شاہ ولایت ہیں
سُراغ منزل فقر وغنا شاہ ولایت ہیں
خدا کی راہ کا آساں پتہ شاہ ولایت ہیں

مُداوائے دل درد آشنا شاہ ولایت ہیں
دعا شاہ ولایت ہیں دوا شاہ ولایت ہیں
نمود نو بہار بوستان پنجتن کہئے
حُسینی باغ کے نشوونما شاہ ولایت ہیں
برائے حُرمت شاہ ولایت ہر دعا مانگوں
ہمیشہ باعث فضل خدا شاہ ولایت ہیں
جہاں میں جابجا ان کا تصرف کارفرما ہے
جہاں دیکھو وہاں جلوہ نما شاہ ولایت ہیں
سِوا ہیں سیم وزر سے ذرّہ ہائے خاک دراُن کے
فقیروں کی متاع بے بہا شاہ ولایت ہیں
درِ والا پہ چلّہ کش ہوئے شاہ مدار آکر
رموزِعشق کے عقدہ کُشا شاہ ولایت ہیں
اُنہیں کے ہیں اُویسی شیخ عبداللہ شطّاری
گروہ اولیا کے مقتدا شاہ ولایت ہیں
ہے اُن کی روشنی پھیلی ہوئی ساری خدائی میں
چراغ دُودمان مصطفیٰؐ شاہ ولایت ہیں
مریضوں کے لئے دارالشفا ہے آستاں اُن کا

دلیل شرحِ آیاتِ شفا شاہ ولایت ہیں
وہ جن کا آستانہ دفتر فیض و کرامت ہے
رواں سکّہ ہے جن کے نام کا شاہ ولایت ہیں
ہے موئے تاب بدرالدیں لقب بُوبکر اسم ان کا
کسے معلوم ہے ابرار کیا شاہ ولایت ہیں

حضرت سیّد بدیع الدین عرف شاہ مدار

آپ کے حالات تذکرہ نویسوں نے امکان عقلی پر مبنی کر کے لکھے ہیں۔ ان میں ایسی حکایتیں بھی ہیں جو عادتاً ممکنات سے نہیں۔ تذکرۃ المتقین (فارسی) میں ہے کہ آپ کی ولادت یکم شوال ۲۴۲ھ میں بمقام حلب ملک شام میں ہوئی۔ تاریخ وفات ۱۷یا۱۸ جمادی الاوّل ۸۳۸ھ ہے اور مدفن قنوج کے قصبۂ مکن پور میں ہے جو کانپور کے نزدیک ہے۔ سلسلۂ خلافت آپ کا حضرت طیفور شامی بایزید بسطامی۔ شیخ یمین الدین شامی۔ امام عبدالعزیز عبداللہ علمبردار۔ حضرت صدیق اکبران چار واسطوں سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچتا ہے۔ ان میں سے اوّلین تین صاحبوں کی عمر ۲۰۰ سال سے زیادہ ہی بیان کی جاتی ہے۔

آپ کو کشف اسرار اور ادراک معانی میں مرتبۂ عالی حاصل تھا اور آپ کے جمال میں نور الٰہی کی جھلک نظر آتی تھی جس کی وجہ سے دیکھنے والا بے ارادہ سجدے میں گر پڑتا تھا اور اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دست مبارک آپ کے چہرہ پر مَس فرما دیا تھا اس کی برکت سے آپ کا چہرہ ایسا تابان و دُرخشاں ہو گیا کہ اس کے دیکھنے کی تاب کوئی نہ لا سکتا تھا۔ چنانچہ بہ وجہ پاس شرع شریف آپ سات نقاب چہرے پر ڈالے رکھتے تھے۔

آپ کی روحانی نسبت کا سلسلہ خوب پھیلا۔ خلفاء بھی بہت ہوئے۔

ان میں اکثر علم، تقویٰ اور بزرگی میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ ازانجملہ مولانا حسام الدین سلامتی، سید محمد اجمل امجد بہڑائچی، سید محمد راجے دہلوی، قاضی محمود کنتوری، قاضی مظہر کالپوی، شیخ عبدالغفور عرف بابا کپور کے علاوہ بدایوں کے شیخ فتاح عرف پیر فتو، شیخ منہاج اور شیخ محمد جہندہ کے نام خاص طور سے لیے جاسکتے ہیں۔

شیخ محمد جہندہ عرف شاہ جھنڈہ کی پیدائش بھی بدایوں کی ہے۔ بدایوں کے شیوخ فاروقی سے تھے۔ لفظ جہندہ آپ کے نام کے ساتھ اس وجہ سے منسوب ہوا کہ حالت وجد میں آپ کودتے تھے اور یہ بھی مشہور ہے کہ شاہ مدار صاحب نے یہ خطاب دیا تھا۔ بہرحال شاہ محمد جہندہ کے نام سے مشہور ہیں۔ تاریخ وصال کی تحقیق نہیں۔ نویں صدی ہجری ہی میں شاہ مدار صاحب کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ مزار شریف بدایوں میں شہر سے کچھ فاصلے پر چندوکھر تالاب کے متصل بریلی جانے والی سڑک کے شمال میں ہے۔ مقبرۂ قبر پر بڑا گنبد ہے۔۔ حریم مزار کا احاطہ وسیع ہے۔ اندر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ حریم کے گرد اگرد بڑا قبرستان ہے۔ بہت سے بزرگان دین اور بعض مخصوص خاندانوں کی قبریں بھی آپ کے قرب وجوار میں ہیں۔

شاہ مدار صاحب کے قل کے روز ۱۷ جمادی الاوّل کو ہر سال عرس کے طور پر ایک میلہ لگتا ہے اور فاتحہ ہوتا ہے۔ بہت سے بزرگوں نے اس جگہ پر چلّہ کشی

کی ہے۔ حضرت مذاق میاں صاحب بھی شاہ جھنڈہ کے مزار پر کئی بار چلّہ کش رہے۔ ہندوستان کے مشہور خاندانوں کے پیران طریقت کو آپ کا سلسلہ پہنچا ہے۔ مُنیر (بہار)، سرہند، سہارنپور، مظفرنگر، جونپور، کوڑا جہان آباد، فتح پور ہسوہ، کالپی، لکھنو، انّاؤ، الٰہ آباد، پیلی بھیت، رامپور اور مارہرہ شریف کے نامور خاندانوں میں شاہ مدار صاحب کا سلسلہ خلافت سیّد اجمل بہڑائچی کے توسط سے پہنچا ہے۔

بدایوں میں مداری فقیروں کا بڑا خاندان چلا آتا ہے۔ گھنٹہ گھر کے قریب ایک محلّہ بھی انہی کا ہے شہر کے وسط میں اور ان کو چھانده کے فقیر بھی کہتے ہیں۔ ۱۷، ۱۸ جمادی الاوّل آپ کی تاریخ وفات پر بدایوں میں میونسپلٹی کے قریب مدار کا میلہ لگتا ہے۔ اس روز مداری فقیر جگہ جگہ اپنے علَم اور جھنڈے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ لوگ ان کے پاس شیرینی وغیرہ لاکر ان سے فاتحہ کراتے ہیں۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مدار صاحب کا بدایوں اکثر آنا جانا رہا ہے اور انہوں نے حضرت خواجہ ابوبکر موئے تاب بدرالدین شاہ ولایت صاحب کے مزار پر ایک عرصہ چلّہ کش رہ کر کامل فیض حاصل کیا ہے چنانچہ عقب عیدگاہ شمسی ایک چبوترہ آپ کی چلّہ گاہ کی ایک یادگار موجود ہے۔

شیخ عبداللہ صوفی شطّاری

سیّد کمال الدین بہلول کے فرزند ہیں۔ نماز عصر کے وقت بروز پیر

۱۲ ربیع الثانی ۹۰۴ھ میں سندیلہ میں پیدا ہوئے۔ ۹ سال کی عمر میں شیخ صفی سائی پوری کے مرید ہوگئے تھے۔ ۱۶ سال کی عمر میں شیخ الہ داد ابن سعد اللہ عثمانی کی خدمت میں گوپا مئو پہنچے جو اُن کی ماں کی طرف سے قرابت دار تھے۔ اوران سے صرف ونحو پڑھنا شروع کیا۔ یہ تحصیل علوم ظاہری کی ابتداء تھی۔ بچپن ہی سے باطنی نعمت حاصل کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ تگ ودَو کے باوجود کوئی صورت نظر نہ آتی تھی بس یہی تشویش لاحق تھی۔ طلب کا جذبہ اسقدر شدید تھا کہ غیب سے عجیب وغریب اسباب مہیا ہونے لگے۔ غرض اثنائے تعلیم میں گوپا مئو میں تھے کہ شیخ بدرالدین بدایونی نے جن کا اصل نام خواجہ ابوبکر موئے تاب ہے اور بدایوں کے شاہ ولایت ہیں خواب میں آکر فرمایا ''عبداللہ تم چندروز ہماری خدمت سے حصہ لو۔ حضرت نے اپنا نام صرف بدرالدین بتایا اور فرمایا ہم بدایوں میں رہتے ہیں۔ شیخ عبداللہ جب بیدار ہوئے تو بے تأمّل بدایوں کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ بدایوں پہنچنے کے بعد انہوں نے شیخ بدرالدین کا سراغ لگایا مگر کسی نے پتہ نہیں دیا۔ رات کے وقت ناامید ہوکر جامع مسجد میں اسی تشویش میں سوگئے۔ شیخ بدرالدین نے خواب میں آکر فرمایا فُلاں جگہ ہم رہتے ہیں وہاں آکر مجاور بنو اور خواب ہی میں اپنے ساتھ لے جاکر اپنے مزار کی طرف جانے والے راستے کو دکھا کر فرمایا کہ یہاں سے سیدھے چلے آؤ ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے اور وہیں ہم ملیں گے۔ شیخ عبداللہ کو راستہ خوب یاد رہا۔

جب وہاں پہنچے تو خدّام مزار سے اصل حقیقت معلوم ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کا نام بدرالدین بھی ہے۔ اہل بدایوں عام طور پر اس نام سے واقف نہ تھے اس لئے کوئی بھی پتہ نہ بتا سکا تھا۔ اس کے بعد آپ ہلالی چھ دَور کامل یعنی کامل چھ مہینے اعتکاف کے طور پر اس مزار مبارک پر رہے۔ اس اعتکاف کا انجام ہی تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے خواب میں آکر فرمایا کہ اب تم کو ایک سال ہمارے حظیرہ میں رہنا چاہیئے۔ صبح ہوتے ہی شیخ عبداللہ دہلی روانہ ہو گئے۔ وہاں نماز عشاء سے فارغ ہو کر مستقل روضۂ متبرّکہ پر جایا کرتے اور رات کو دن کر دیا کرتے تھے۔ آخر فیض روحانیت سے روشنیٔ قلب حاصل ہوئی اور ایک سال ختم ہونے کو آیا۔ اب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے اور شیخ عبداللہ حضور کے حسب ہدایت وارشاد عمل پیرا رہے۔ بالآخر ۲۴ سال کی عمر میں جب تمام کمالات فراہم ہو گئے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی توجہ سے چاہا کہ کسی مرشد کا پتہ بتا دیں جس کے فیضان سے طالب عرفان کے اعلیٰ مطالب کو پہنچ کر صاحب بصیرت ہو جائے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غوث الاولیا شاہ محمد غوث شطّاری گوالیاری کی خدمت کا راستہ دکھایا جنہوں نے دو مہینے کے اندر مشرب عشقیہ کے تمام اذکار سکھا کر انوار واسرار سے بہرہ یاب کیا اور ۹۵۰ھ میں عیدالاضحیٰ کے عرفہ کے روز آپ کو تمام خانقاہ نشینوں کا سرحلقہ بنایا۔ یہاں پر شیخ عبداللہ نے کامل دس سال مبتدیوں اور درویشوں کی تربیت فرمائی۔ اس

عرصہ میں حج اور زیارت مدینہ طیّبہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔ پانچ سال مدینہ طیبہ میں رہے اور ہر سال حج کیا۔ پھر بحکم مرشد عالی احمد آباد آ کر شادی کی اور کم وبیش پندرہ سال اس شہر میں گزارے۔ ۹۸۱ھ میں مرشد کی زیارت کے لئے گوالیار آئے اور یہاں دو سال رہ کر مرشد کے روضہ کی خدمت کی۔ اس کے بعد بفرمان مرشد ۹۸۳ھ کے آغاز میں اکبرآباد آگرہ جا کر مٹیا محل گلی میں ایک حجرہ بنا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اسی جگہ نماز عصر کے وقت ۲۳ جمادی الاول کو ۱۰۱۰ھ میں بعمر ۱۰۶ سال وصال فرمایا اور اسی عبادت خانہ میں اپنی خواہش کے مطابق خوابگاہ اختیار کی۔ گلزار ابرار میں آپ کی سات تصانیف کے یہ نام دیے ہیں۔

(۱) سراج السالکین بر سُنن جواہر خمسہ (۲) اوراد صوفیہ (۳) رسالۂ صوفیہ
(۴) انیس المسافرین (۵) اسرار الدّعوۃ (۶) شرح رسالۂ غوثیہ
(۷) رسالۂ کنز الاسرار فی حال اشغال الشطّار۔

(ماخذ گلزار ابرار مصنّفہ مولانا محمد غوثی شطّاری)

ماخوذ از تذکرۃ الواصلین

مصنّفہ خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری بدایونی

شیخ جلال الدین کاسی

متوطن بدایوں قوم افاغنہ سے تھے۔ اصل نام جلال خاں ہے۔ شیر شاہ کے عہد میں دیوان کے عہدے پر فائز رہے تھے۔ شاہ محمد چشتی کے مرید تھے

انہیں سے خلافت بھی پائی تھی۔ایک عرصہ مرشد کی خدمت میں حاضر رہے مگر کچھ فیض باطنی حاصل نہ ہوا۔آخر مرشد نے کہا کہ جلال الدین تیرا کُشادکار حضرت شیخ بدرالدین شاہ ولایت صاحب سے ہے۔روضۂ حضرت بدرالدین شاہ ولایت پر حاضر ہو۔آخر بحکم شیخ بانگرمئو سے بدایوں پہنچے اور شاہ ولایت صاحب کے روضہ میں جاروب کشی کرنا شروع کی یہاں تک کہ فیض کامل حاصل ہوا۔اسی دوران ایک روز نصف شب میں حسبِ معمول تلاوت قرآن میں مصروف تھے کہ یکایک روضۂ مبارک سے آواز آئی کہ "جلال الدین بدرالدین شاہ ولایت و بدرالدین شاہ ولایت جلال"۔شہرت عظیم پائی۔ آپ کی خدمت میں کثرت سے خلقت حاضر ہونے لگی۔ بعہد اکبر بادشاہ ۱۰۱۳ھ میں وفات پائی۔مزار آپ کا بجوار حضرت شاہ ولایت صاحب مشرق کی سمت میں ایک علیحدہ حریم کے اندر ہے۔

مخدوم حضرت شیخ عبداللہ رسَولوی

قصبۂ رسَولی ضلع بارہ بنکی کے ایک کائستھ خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی۔۱۲سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوکر بدایوں پہنچے۔حضرت شیخ جلال کاسی کے مرید و خلیفہ ہیں۔حضرت شاہ ولایت صاحب کی حضوری میں محویتِ خاص حاصل تھی۔اپنے شیخ کے جانشین و قائم مقام ہوئے اور بہت

شہرت پائی۔ کشف وکرامات آپ سے بیحد صادر ہوئے۔ ۵ شوال ۱۰۳۴ھ میں جہانگیر بادشاہ کے آخر زمانۂ سلطنت میں وفات پائی۔ حضرت شاہ ولایت صاحب میں اپنے مرشد شیخ جلال کاسی کے مزار کے برابر مقبرۂ سرخیلاں میں پہلا مزار متصل دیوار شرقی آپ کا ہے۔

ماخوذ از تذکرۃ الواصلین مؤلفہ خان بہادر رضی الدین فرشوری مطبوعہ ۱۹۰۰ء

حضرت شاہ اوجیالے شاہ صاحب

قوم افاغنہ محلّہ قبولپورہ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ نام آپ کا کالے خاں تھا۔ مرید شاہ جانجاناں کے تھے اور وہ مرید وخلیفہ شیخ عبدالجلیل الٰہ آبادی کے تھے۔ ایک مدت تک الٰہ آباد میں رہ کر اپنے دادا پیر کی خدمت کی اور نعمت وکرامت بھی حاصل کی۔ ایک روز شیخ عبدالجلیل نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے کہا ''کالے'' شیخ نے کہا میں نے تمہارا نام ''اوجیالے'' رکھا ہے۔ چنانچہ شاہ اوجیالے کے نام سے آپ مشہور ہوئے۔ غرض بہت کچھ فیض حاصل کر کے آپ اپنے وطن بدایوں آئے۔ آپ سے بہت خوارق عادات وکرامات ظاہر ہوئے اور بکثرت لوگ آپ کے مرید ومعتقد ہوئے۔

الٰہ آباد سے واپس آکر درگاہ حضرت شاہ ولایت صاحب میں مستقل چلّہ میں بیٹھے۔ وفات آپ کی غالباً اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں ہوئی۔ شہر سے جانب جنوب متصل سرائے جالندھری آپ کا مزار شریف تکیہ میں واقع ہے۔ زیارت آپ کی محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں تعمیر ہوئی۔

حضرت مرزا بادل بیگ صاحب

بحوالہ تذکرۃ العارفین مصنّفہ ضیاء علی خاں اشرفی

مرزا محمد صدیق نام، عرفیت مرزا بادل بیگ ہے۔ محلّہ قبولپورہ بدایوں کے ساکن تھے۔ عہد برطانیہ میں سروے آف انڈیا میں ملازم رہے۔ بعد میں درویشی اختیار کی۔ رات کے وقت حضرت شاہ ولایت صاحب کی درگاہ کے باہر ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب کے مزارات پر صبح و شام حاضری دیتے تھے اور حضرت شاہ ولایت کے اویسی تھے۔ اسی نسبت سے لوگوں کو فیض پہنچانے کی بناء پر مرید بھی کرتے تھے۔ شاہ غلام قادر خاں یا عبدالقادر خاں آپ کے نہایت خاص مرید و خلیفہ اور بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں۔ ۱۴ شعبان ۱۳۰۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار حضرت شاہ ولایت صاحب کی حریم سے ملحق باہر جنوب و مشرق میں ایک بڑے احاطہ کے اندر ہے۔

میاں محمد سعید خاں صاحب

دفتر میونسپل بورڈ بدایوں میں ملازم رہے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد کامل درویشی اختیار کی اور یادالٰہی میں مشغول ہوگئے تھے۔ صبح و شام دونوں سرکاروں حضرت سلطان العارفین صاحب اور حضرت شاہ ولایت صاحب میں نہایت پابندی کے ساتھ حاضری دیتے تھے۔ بڑے سرکار سے فیض عظیم پایا تھا۔ عورت مرد سب آپ کے ہاتھ چومتے تھے۔ خلقت کا رجحان بڑی عقیدت کے ساتھ آپ کی طرف تھا۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی فرماتے تھے۔ راقم نے دیکھا ہے کہ شام سے حضرت سلطان العارفین صاحب کے پائین میں مؤدب بیٹھتے اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ لوگوں کی ضرورتوں اور عرضداشتوں کو بڑے سرکار میں پیش کر کے جواب سے مطلع فرمارہے ہیں۔ سبحان اللہ کیا صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۵۶ء میں آپ نے وصال فرمایا۔ مزار آپ کا مرزا بادل بیگ صاحب کے مشرقی سمت میں چبوترہ کی بلندی پر عقب عیدگاہ شمسی حضرت شاہ ولایت میں ہے۔

کتابیں جن سے استفادہ کیا

۱۔فوائد الفواد فارسی ملفوظات نظام الدین اولیا مطبوعہ دہلی ولاہور۔
امیر حسن علا سنجری بدایونی

۲۔خیر المجالس فارسی مطبوعہ بمبئی۔ملفوظات چراغ دہلی۔حمید قلندر دہلوی

۳۔سیرُ الاولیا فارسی مطبوعہ دہلی۔امیر خورد کرمانی دہلوی

۴۔سِلک السّلوک فارسی مطبوعہ لاہور ۱۳۲۹ھ۔ضیاء الدین نخشبی بدایونی

۵۔سبع سنابل فارسی مخطوطہ مملوکہ راقم۔میر عبدالواحد بلگرامی فرجد اعلیٰ پیران مارہرہ

۶۔رحمۃٌ لّلعالمین جلد۲ مطبوعہ لاہور۔قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری

۷۔اخبار الاخیار فارسی مطبوعہ دیوبند۔شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

۸۔اذکار ابرار ترجمہ اردو گلزارِ ابرار فارسی مطبوعہ دہلی۔محمد غوثی شطّاری

۹۔تاریخ شیخ شاہی فارسی غیر مطبوعہ قلمی۔مولوی امانت حسین دانشمندی بدایونی

۱۰۔روضۂ صفا فارسی غیر مطبوعہ قلمی۔اکرام اللہ محشرؔ بدایونی

۱۱۔خزینۃ الاصفیا فارسی مطبوعہ لکھنؤ ولاہور۔مفتی غلام سرور لاہوری

۱۲۔ہدایت المخلوق فارسی مصنفہ ۱۲۰۵ھ غیر مطبوعہ۔محمد افضل بدایونی

۱۳۔تنبیہ المخلوق ترجمہ اردو ہدایت المخلوق مرتبہ ۱۲۷۲ھ۔ملفوظات وحالات
حضور اچھے میاں صاحب مارہروی۔حکیم حافظ مجاہد الدین ذاکرؔ بدایونی

۱۴۔کنزُ التّاریخ اردو مطبوعہ ۱۹۰۷ء۔خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری بدایونی

۱۵۔ تذکرۂ الواصلین اردو مطبوعہ ۱۹۰۰ء۔ خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری بدایونی

۱۶۔ آثارِ بدایوں اردو مطبوعہ ۱۹۱۵ء۔ حافظ محمد فضل اکرم فرشوری بدایونی

۱۷۔ تاریخ بنی حمید و تاریخ اولیائے بدایوں اردو قلمی غیر مطبوعہ۔ مفتی شرف علی حمیدی بدایونی

۱۸۔ حیات شیخ شاہی اردو مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ مولوی محمد ابرار حسین قادری بدایونی

۱۹۔ آفتاب ولایت اردو مطبوعہ الیکٹرک پریس بریلی ۔ مولوی حفظ الرحمٰن عارف بریلوی

۲۰۔ اِفاضات حمید اردو مطبوعہ شاہجہانی پریس ۱۳۴۶ھ۔ قاضی رحمٰن بخش ناگوری

۲۱۔ ہفتاد اولیا اردو مطبوعہ دہلی ۔ شاہ مراد سہروردی بدایونی

۲۲۔ شاہ ولایت مطبوعہ ہندوستانی پریس بدایوں ۔ قاضی غلام سجاد بسملؔ بدایونی

۲۳۔ تذکرۂ العارفین مطبوعہ بریلی الیکٹرک پریس بریلی ۔ ضیاء علی خاں اشرفی بدایونی

۲۴۔ تاریخ احسن مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۔ مولوی عبدالحی صفاؔ بدایونی

۲۵۔ کشف الغطاء فی احوال اصحاب الصفا (عربی)۔ ملاّ عبدالقادر قادری بدایونی مؤرّخ

۲۶۔ بدایوں قدیم و جدید مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۔ مرتبہ نظامی بدایونی

دو بھائی بداؤں میں تھے۔ ایک شاہی موئے تاب، دوسرے شیخ ابوبکر موئے تاب
شیخ ابوبکر کو میں نے دیکھا ہے لیکن شیخ شاہی کو میں نے نہیں دیکھا ہے

"حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ"

دو سرکاریں

حصہ اوّل

بڑے سرکار حضرت خواجہ سید حسن شیخ شاہی موئے تاب سلطان العارفین سلطانجی صاحب

حصہ دوم

چھوٹے سرکار حضرت خواجہ سید بدرالدین ابوبکر موئے تاب شاہ ولایت صاحب

کے

حالاتِ زندگی

مؤلفہ

محمد ابرار علی صدیقی بدایونی